ادب اردو کا ایک زبردست رسالہ

فانوس خیال

جلد ا نمبر ۲	ایڈیٹر - ابو رشید محمد عبد المجید خاں سالک بٹالوی	بابت ماہ جولائی ۱۴ء

قطعہ تاریخ اجرائے رسالہ باکمال فانوس خیال از جناب طالب بنارسی

نکلا نیا رسالہ انداز خوبی کا بھرا ہوا
نئی روشنی کا نورانی مہر درخشان نجم ضیا

علم و ہنر کے نور کا پرتو روش جلوہ ماہ کمال
طالب نے تاریخ کہی تنویر شمع فانوس خیال

۱۹۱۴ء

نثر

اعلےٰ درجے کے کلام کی خوبی ÷ مجدد السنۃ مشرقیہ مولانا شوکت میرٹھی ÷
بد نصیب کا لال ۔ حضرت مولانا عبد الراشد الخیری الدہلوی ÷
سات سہیلیوں کا جھمکا ۔ از سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی ÷
کسی کی تلاش ۔ از سید اصغر حسین صاحب نادر بٹالوی ÷
اردو لٹریچر ۔ جناب سید شعیب احمد صاحب ندرت میرٹھی ÷

نظم

تصویر ہستی ۔ از حکیم فیروز الدین صاحب فیروز طغرائی
فغان قوم و رباعیات طالب ۔ از جناب طالب بنارسی مقیم بمبئی ÷
موسم گرما اور غریبوں کی فریاد منشی علی احمد صاحب قریشی بلاغت امروہی مقیم بمبئی ÷
قوم ۔ مولوی شعیب احمد صاحب ندرت میرٹھی
لذت گریہ ۔ جناب ماسٹر باسط علی صاحب باسط لسوانی از ستیاپور ÷
حال زار قوم ÷ از خاکسار سالک ایڈیٹر رسالہ ہذا
غزلیں ۔ از مولانا رسا مغفور ۔ جناب آزاد و جناب صغیر سالک ۔ جناب کلیم ۔ جناب مہر ÷

رفاہ عام سٹیم پریس لاہور میں مولوی عبد الحق پرنٹر کے اہتمام سے چھپا اور دفتر فانوس خیال پٹھانکوٹ سے شائع ہوا

هو الناصر

آنکھوں کا سچا علاج

اناڑی اور جاہل دوا فروشوں نے ہزاروں سرمہ اور انجن کے اشتہار دے رکھے ہیں۔ اور آنکھ کی تشریح سے اصلا واقف نہیں ہیں۔ انہیں خبر ہی نہیں کہ آنکھ میں کس قدر طبقے ہیں۔ کے رطوبتیں ہیں۔ عصبہ مجوفہ کیا چیز ہے۔ نور آنکھ میں کہاں سے آتا ہے۔ کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ ثقبہ عنبیہ کیا ہے جس میں پانی اترتا ہے۔ نہ کتاب میں پڑھا نہ ہاتھ سے یہ کام کیا۔ اس لئے مریضوں کی رہی سہی آنکھوں کی حالت بھی بگڑ گئی۔ ایسے شہر آشوب اور طوفان بے تمیزی میں کسی دوا کا اشتہار دینا اپنا اور اپنی اس دوا کا اعتبار کھونا ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ ابھی دنیا میں علم و ہنر کے قدردان باقی ہیں اور زمانہ عقل سلیم سے خالی نہیں ہے۔ اور سچی دواؤں کی حاجت ہے۔ اس لئے مختصر عرض کرتا ہوں۔ کہ یہ دوا مجھے حاذق الملک حکیم عبدالمجید خانصاحب دہلوی مرحوم مغفور نے بتائی تھی۔ تیس برس سے میں اپنے مطب میں برابر آزما رہا ہوں۔ یہ دوا آنکھوں میں پانی اترنے کے لئے جسے نزول الماء کہتے ہیں اور دھند جالے پربال رتوندہ کو ازبس مفید ہے جب آنکھوں کے سامنے بھنگے اڑتے دکھائی دیں سمجھ لیجئے کہ پانی اترنے والا ہے یہ دوا منگائیے اور استعمال کیجئے۔ پانی نہیں اتریگا۔ اترتا ہوگا تو رک جائیگا اور آنکھ صاف ہو جائیگی۔ قیمت دوا فی ماشہ ایک روپیہ۔ ایک مریض کیلئے ایک ماشہ دوا کافی ہوگی۔ محصول بذمہ خریدار۔

ملنے کا پتہ

حکیم سید ناصر نذیر فراق دہلوی محلہ رودگران مہ رادتمند خان مکان میر ظریف صاحب

فانوس خیال

اعلیٰ درجے کے کلام کی خوبی

جو لوگ کمالِ فن کے نقارے بجا گئے۔ اور اپنا بے بہا تابناک جوہر دکھا گئے۔ جاننا چاہیے کہ انہوں نے علوم و فنون میں پورا کمال کیونکر حاصل کیا۔ حالانکہ اس زمانے میں تحصیل علوم و فنون کے یہ آسان وسائل نہ تھے۔ جو موجودہ زمانے کی تہذیب و شائستگی نے پیدا کر دیے ہیں۔ سینکڑوں اور ہزاروں کوس پیادہ سفر کرتے اور علم کا چشمہ جہاں کہیں پاتے۔ وہیں جا کر اپنی تشنگی طلب بجھاتے تھے۔ انکا عقیدہ تھا۔ کہ طالبعلم یا ودیارتھی کو صرف دو چیزیں چاہئیں۔ کتاب اور گرو یعنی اُستاد۔ رزق خدا خود دیگا۔ اُسنے وعدہ کر لیا ہے۔ اس کی فکر عبث ہے دوسرے وقت دیگا تیسرے وقت دیگا۔ مگر دیگا ضرور۔ پس وہ فقر و فاقے کی کوئی حقیقت نہ سمجھتے تھے۔ اور اُن پر غالب آجاتے تھے۔ دیکھ لیجیے۔ پاٹ شالاؤں سے ودیارتھی کیسے کیسے کامل مہاتما پنڈت بنکر اور مدارس سے طالبعلم کیسے کیسے عالم و فاضل فلسفی طبیب حاذق فقیہ و محدث بن کر نکلتے تھے۔ موجودہ زمانہ جنکی نظیر پیدا کرنے سے عاجز ہے متنبی جو عرب کا نامی گرامی شاعر ہے۔ اپنے ممدوح سیف الدولہ کی تعریف میں لکھتا ہے:۔ ؎

مَضَتِ الدُّهُوْرُ وَمَا اَتَیْنَ بِمِثْلِهٖ

وَلَقَدْ اَتیٰ فَعَجَزْنَ عَنْ نُظَرَائِهٖ

حل اے ممدوح زمانے گذر گئے اور تیری مثل نہ لاسکے تو تیری نظیروں کے لانے سے عاجز ہو گئے یعنی تجھ جیسا تجھ سے پہلے پیدا نہوا۔ اور اب جو تو پیدا ہو گیا۔ تو تیری نظیر پیدا نہیں ہو سکتی۔

عرب کے زمانۂ جاہلیت (بت پرستی) کی شاعری کا آج تک جواب نہیں۔ اگرچہ اُس زمانے کے بعد بہت سے شعرا پیدا ہوئے خصوصاً متنبی وغیرہ۔ مگر وہ سادگی کہاں۔ جاہلیت کے شعرا ٹھیٹھ ریگستانِ عرب میں جا رہے ہیں۔ اور نیچر کے محمل پر سوار ہیں۔ مگر متنبی رنگامیزی اور تصنع کے گلزار کی ہوا کھا رہے ہیں۔ وہاں نیچرل سادگی ہے۔ تو یہاں تکلف اور عارضی غازہ جس کو قیام نہیں ہندوستان میں جب ۳۳ کروڑ دیوتا تھے تو سنسکرت کی شاعری زوروں پر تھی بالمیک اور کالی داس وغیرہ کویشروں کے جو کارنامے موجود ہیں۔ تو کیا ان کا جواب ہو سکتا ہے۔ ان کے بعد بھاشا زبان میں گسائیں تلسی داس جی۔ کبیر۔ کیشو داس جی وغیرہ بڑے پائے کے شعرا تھے مگر سب نے شاعری پر رنگ اور ملمع ہی چڑھایا۔ اور اصلی حسن کو جو خالص سنسکرت کی شاعری میں تھا چھپایا۔ ماحصل یہ ہے۔ کہ بُت پرستی کی ترقی کے ساتھ شاعری بھی ترقی کرتی چلی گئی۔ کیونکہ شعر عشق و محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر عشق نہیں تو شاعری بھی نہیں۔ جسقدر رنگ برنگ کی دل کش صورتوں اور دلفریب مورتوں کا ظہور۔ اسی قدر عشق و محبت کے نشے کا سرور انسان تو بوالہوس اُدھر جائی ہے۔ ایک صنم خدائے واحد سے (وہ بھی محض خیالی) اسکا دل کب بہلتا ہے۔

ہوس میں کعبہ کی زاہد تو بتخانے سے گمرہ ہے
یہاں تو چند شکلیں بھی ہیں واں اللہ ہی اللہ ہے

بھلا جن لوگوں کے مُنہ کو ایک خُدا کے ماننے کا چسکا لگا ہے۔ بتوں کی محبت کے بارہ چاٹ کے مسالے دار چورن کا سواد کیا جانیں۔ وہ تو کُل جدید لذیذ پُرغش ہیں:۔

ہر کسی خوبرُو پہ مر رہنا
بے تکلف یہ اپنی عادت ہے

موجودہ زمانے کی طبعی عیش و عشرت کے لباس فاخرہ سے ملبوس ہے پھر تحصیلِ کمال کہاں۔

گذشتہ زمانے کی شاعری فقر و فاقہ کے گلدوز جبّے اور تکالیف و مصائب کے کانٹے اڑے سے ہوئے پھٹے پرانے کمبل سے آراستہ تھی۔ وصلِ معشوق بڑی جانکاہیوں صعوبتوں نکبتوں۔ ناز برداریوں سے میسّر ہوتا ہے۔ نہ کہ عیش و آرام سے سیا تو طلب علم کے دلدادہ ہو جاؤ۔ یا عیش پسندی و تن آسانی کے دو معشوق تو نہیں ہو سکتے۔ ورنہ یہ عاشقی نہیں بلکہ سراسر بوالہوسی اور نفس پروری ہے۔ قاآنی سہ

رسمِ عاشق نیست بایکدل دو دلبر داشتن

یا ز جاناں یا زجاں بایست دل برداشتن

یا اسیرِ حکمِ جانان باش یا در بندِ جاں

زشت باشد نو عروسے را دو شوہر داشتن

اب تو طالب علم عیش کرتے ہیں۔ غذا بھی نفیس۔ لباس بھی قیمتی۔ گذشتہ زمانے میں کھانے پہننے کی پروا کیا معنی۔ حِس بھی نہ تھی۔ وہ طلبِ علم و اکتساب کمال میں بارغ بارغ رہتے تھے۔ عاشق کو طلب معشوق میں نمود سے کیا کام۔ حضرت بیدل رحمہم اللہ کیا خوب فرماتے ہیں۔ سہ

بہ ایں سر و برگ غنیمتم گیر ترکِ اندیشۂ فضولی

مباد چوں بخیہ خود نمائی سرت زدلقِ کہن بر آرد

یعنی قدرت و فطرت نے زندگی بسر کرنے کا جو سامان عطا کیا ہے۔ اُسے غنیمت سمجھ اور فضولی کی فکر چھوڑ۔ تو جو تارک الدنیا ہو کر دلق پوش ہو گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ خود نمائی تجھ سے یوں سر نکالے۔ جیسے پُرانی اور فرسودہ گُدڑی سے بخیہ سر نکالتا ہے۔ یعنی تجھے یہ غرور ہو۔ کہ اہاہ! اب تو میں تارک الدنیا ہو کر ولی بنگیا۔ حالانکہ خودی اور خدائی میں ضد ہے۔

موجودہ دنیا میں سینکڑوں یونیورسٹیاں اور ہزاروں کالج ہیں۔ مگر کیا انہوں نے کوئی ایسا صاحب کمال پیدا کیا۔ جس کی نسبت جمہور کا اتفاق ہو۔ کہ یہ لاثانی ہے۔ سب کے علم و فضل اور کمال کا رنگ ایک ہی ہے۔ کسی کو کسی پر ترجیح نہیں۔ کہ ترجیح کا کوئی مدعی۔ یورپ باایں ریش و فش صدیوں میں بھی ہومر جیسا باکمال شاعر پیدا نہ کر سکا۔ اب تو ملٹن۔ شیکسپیر۔ اڈلین بیٹ۔ ہرک۔ سمائیڈ۔

جیسے شاعر۔ ناولسٹ اور انشا پرداز کبھی پیدا نہیں ہو سکتے۔ جب علمائے اعلیٰ (یورپ) کی یہ پست حالت ہے۔ تو عالم سفلی (ایشیا خصوصاً ہندوستان) کے علمی تنزل کی جو کچھ حالت ہو کم ہے! اور اردو شاعری تو شروع ہی سے گویا تحت الثریٰ میں دفن ہے۔ ایک اردو شاعر بھی ایسا نہیں گذرا جو جامع علوم و فنون و جامع کمالات اور اصنافِ سخن پر قادر ہو۔ صرف ریختہ گوئی کے پیچھے پڑ گئے اور ایک بھیڑ چال جاری ہو گئی۔ شاعری اور شعر کی ماہیت سے بھی نابلد +

فصیح و بلیغ شعر کی یہ صفت ہے۔ کہ مربوط مضبوط ہو۔ ٹھوس ہو۔ ٹُھکا ہوا ہو۔ درز نہ ہو حشو و زوائد سے پاک ہو۔ اقل و دل ہو یعنی الفاظ قلیل اور معانی کثیر۔ گویا کوزے میں دریا۔ جیسے غالب کا شعر ؎

آشفتگی نے نقش سویدا کیا درست
ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

اس شعر کا سمجھنا کارے دارد۔ مطلب یہ ہے۔ کہ میرے دل کا سویدا جو دوئی یا ماسوی اللہ کی محبت کا داغ لگنے سے بگڑ گیا تھا اب آشفتگی عشق الٰہی سے درست ہو گیا۔ اس سے صاف کھلیگا۔ کہ داغ کا سرمایہ دھواں تھا۔ جو اُٹھتے اڑتے اڑ گیا۔ اس شعر کی روح صرف آشفتگی ہے۔ دھواں آشفتہ (پریشان) ہو کر اڑ جاتا ہے۔ مطلب صرف اسقدر ہے کہ دل کی تاریکی محبت الٰہی کے صیقل سے دُور ہوتی ہے۔ مگر یہ مطلب کس خوبی سے ادا کیا ہے۔ اور لیجیے ؎

ہے نو آموز فنا ہمت دشوار پسند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

لفظ (نو آموزِ فنا) کی ترکیب میں نزاکت اور پیچیدگی ہے۔ اور یہی لفظ اس شعر کی روح ہے واضح ہو کہ اعلےٰ درجے کے شعر کی صفت یہ بھی ہے۔ کہ صرف ایک لفظ اس کی رُوح ہو۔ اگر اُسے نکالدو تو بس شعر گویا قالب مردہ ہے۔ ایسا شعر لکھنا بغیر کمالِ فن کے ممکن نہیں۔ حل شعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہمت ایک ماسٹر ہے جو پرائمری سکول میں فنا ہو جانا سکھاتی ہے

سخت مشکل آپڑی۔ کہ یہ کام (فنا ہوجانا) بھی آسان نکلا۔ توضیح یہ ہے۔ کہ ہمت تو بہت بڑی دشوار پسند ہے۔ اس کے نزدیک کسی کام میں فنا ہوجانا کیا مشکل ہے۔ فنا سے بڑھکر کوئی اور مرتبہ ہوتا۔ تو ہمت کی دشوار پسندی کے جوہر کھلتے۔ بی اے۔ ایم اے۔ ایل ایل ڈی تو رہ ہی گئے۔

مر گئے ابتدائے الفت میں
اب ہو معلوم انتہا کیا خاک

حضرت مومن دہلوی بھی کچھ کم نازک خیال نہ تھے۔ ان کا کلام غالب کے کلام سے بہت زیادہ نازک ہے۔ اور خوبی یہ ہے۔ کہ نہ موٹے موٹے اجنبی الفاظ ہیں۔ نہ متواتر اضافتیں ہیں نہ ٹیڑھی اور پیچیدہ ترکیب ہے پھر بھی نزاکتِ کلام کا سمجھنا مشکل ہے۔ فرماتے ہیں ؎

دھیان ہے غیر کے تحمل کا
ہوش دیکھا ترے تغافل کا

یعنی اے معشوق۔ تو رقیب سے تغافل برتتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی دھیان رکھتا ہے۔ کہ دیکھوں وہ کب تک تغافل کا متحمل ہوگا۔ تغافل کہاں رہا۔ یہ تو عین التفات ہے۔ بس جناب بس۔ آپ کے تغافل کا ہوش معلوم ہوگیا۔ ؎

وہ ہنسے سُن کے نالہ بلبل کا
مجھے رونا ہے خندۂ گل کا

سبحان اللہ! ہنسے۔ نالہ۔ رونا۔ خندہ۔ تلازم کی گویا چٹیاں جڑی ہیں اور معنی بھی لطیف یعنی معشوق بلبل کا نالہ سُن کر ہنس پڑا۔ اب مجھے یہ رونا ہے۔ کہ پھول بلبل پر ہنسیگا کہ تیرے نالے میں تو کچھ بھی اثر نہیں۔ ورنہ مومن کا معشوق اس کو سُن کر روتا۔ نہ کہ ہنستا۔ پھر مجھ پر کیوں اثر ہو؟ ؎

روزِ جزا جو قاتلِ دلجو خطاب تھا
میرا سوال ہی مرے خون کا جواب تھا

اس شعر کی رُوح لفظ **دلجو** ہے یعنی جب میں نے قیامت میں کہا۔ کہ اے قاتل دلجو! تو نے مجھے کیوں قتل کیا۔ تو میرا سوال ہی طلب مواخذے کا جواب ہو گیا۔ کیونکہ قاتل نے تو دلجوئی کی ہے۔ قتل نہیں کیا ہے

دیکھا! کہ میرے نالۂ آہن گداز نے
آئینہ دیکھنے کا تماشا دکھا دیا

اس شعر کی رُوح آہن گداز ہے۔ پھر الفاظ باہم کیسے متلازم ہیں یعنی اے معشوق۔ تو نے دیکھا بھی۔ کہ میرے لوہے کے گلانے والے نالے نے تجھے آئینہ دیکھنے کا کیسا تماشا دکھایا۔ یعنی تو جو آئینہ میں بناؤ سنگار کر کے حسن میں مغرور ہوتا اور مجھ پر ظلم کرتا تھا۔ تو اب میرے آتشیں نالے نے آئینے ہی کو گلا دیا۔ (آئینہ لوہے اور فولاد کا بھی ہوتا ہے) جو غرور وستم کا آلہ تھا۔ اب کس برتے پر ظلم کرے گا۔ جبکہ غرور حسن کا اڈہ ہی اُڑ گیا؛

اگر ناظرین کو دلچسپی ہوئی تو ہم ایسے معلومات کے بے بہا جواہر پیش کرتے رہیں گے؛

مجدد السنۂ مشرقیہ
سید احمد حسن شوکت میرٹھ

فانوس خیال:- حضرت شوکت ایک فاضل اجل اور عالم اکمل ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ بھاشا۔ اردو سنسکرت وغیرہ السنہ مشرقیہ کے ماہر ہیں آپ نے کئی مشکل اور سنگلاخ کتابوں کے حل لکھے ہیں۔ جو نہایت قابل قدر ہیں۔ ہمیں امید ہے۔ کہ وہ آئندہ بھی اپنے رشحات قلم فیض رقم سے ناظرین **فانوس خیال** کو مستفیض فرماتے رہیں گے؛ (ایڈیٹر)

بدنصیب کا لال

(از مولٰنا راشد الخیری الدہلوی)

مصیبت کا زمانہ، پریشانی کے دن، رات کا وقت، برسات کا موسم، مفلسی، بیکسی، بےبسی، ماں، باپ، بھائی، بہن، دیور، جیٹھ، ساس، نند کچھ مر کر چھوٹے کچھ جیتے جی چھوٹے دو دن کی بیاہی چوتھی کھیل سسرال آئی، ادھر بیٹی سوار ہوئی ادھر ماں کو بخار چڑھا۔ ہرچند ٹالا مگر کچھ ایسی گھڑی کا چڑھا کہ جان ہی لیکے ٹلا! دن بھر لوتھ پڑی رہی شام کو سرسام، رات کو سکرات، صبح ہوتے ہوتے رخصت۔

چوتھی کی دلھن گم سم سسرال سے چلی اور روتی پیٹتی میکے آئی صبح کو پھول ہوئے گھر میں مہمان بھرے تھے باہر ابا جان کا نکاح ہو رہا تھا قصہ مختصر اماں یوں گئیں ابا یوں گئے! اور کوئی اوّل تو تھا ہی نہیں اور جو تھیں بھی تو ایک رشتے کی نانی وہ آپ جٹھانی کے ٹکڑوں پر تھیں۔ ساٹھ پینسٹھ برس کی بڑھیا پھوس بھری بھینڈ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت! بات کی نہ چیت کی! کام کی نہ کاج کی! ہونا نہ ہونا دونوں یکساں۔

بھائی جس کے دم سے میکا ہے بدنصیب دلھن کا کوئی نہ تھا۔ بہنیں کہنے کو تو ماشاءاللہ ایک چھوڑ دو دو مگر دونوں اپنے گھر بار کی ایک خوشحال وہ پردیس دوسری شہر میں وہ کنگال اور کنگال بھی کیسی کہ اناج تک کو محتاج۔ غرض میکے میں تو نہ کوئی نام لیوا نہ پانی دیوا لے دے کر ایک باپ کا دم سمجھ لو وہ ہیں کہیں بیٹی کل کی مرتی آج ہی مر جائے رہیں سوتیلی اماں وہ ایک دفعہ کیا کئی دفعہ اور اپنوں میں نہیں محلے والوں تک کے آگے اور چوری چھپے نہیں ہانکے پکارے اور کھلے

خدانے کہتی تھی زندہ کو روٹی کیسی اللہ کرے مردے کو کفن بھی میسر نہ ہو ۔

ساس جب تک زندہ رہیں بہو کے قدموں کے نیچے آنکھیں بچھاتی رہیں امیری نہیں غریبی اور غریبی کیسی کہ فقیری چھ ساڑھے روپیہ کی آمدنی خرچ پورا کال پڑا ہوا۔ مگر صبح کا ناشتہ مرتے دم تک ناغہ نہ کیا! وہ جیتی ہوتیں تو حمیدہ کو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا پیٹ بھر کر نہ ہوتی آدھا پیٹ! سالن نہ سہی روکھی۔ روکھی نہ ہوتی سوکھی ۔ دو وقت نہیں ایک وقت! تازی نہیں باسی! گھر کی نہیں بازار کی! بازار کی نہیں محلّے کی! غرض پوری! آدھی! اونی پونی! اچھی بری! نشتم ۔ پشتم کسی نہ کسی طرح پیٹ میں پڑ جاتی یہ نہ ہوتا کہ صاف تین وقت کا کڑاکا گذر گیا۔ اور چوتھے وقت بھی اللہ ہی اللہ ہے ۔

ساس کا مرنا بہو کے سر پر دنیا بھر کی تکلیفوں کا دھرنا تھا کچھ ایسی ہوا چلی اور ایسا نصیبہ پھوٹا کہ چاروں طرف سے مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ برس کے اندر ہی اندر گھر بھر کی صفائی ہو گئی امیراں جی میں ساس مدار میں دونوں نندیں جب میں دیور غرض تین مہینے میں چار جنازے ایک گھر سے نکل گئے! ساری کائنات دو باپ بیٹے باقی رہے۔ شبرات کا چاند ایسا بھاگوان آیا کہ ابا جان بھی چل بسے۔ ٹنڈوں ٹون ایک میاں ہی میاں رہ گئے۔ پانچ روپیہ باپ کی پنشن کے تھے وہ بند ہوئے ایک روپیہ ماں کے دم تک تھا وہ بھی ختم ہوا۔ آٹھ آنے چاہے کھاؤ چاہو پیو چاہے اوڑھو چاہو بچھاؤ۔ کچھ دن یوں بھی گذرے۔ مگر کہاں تک اور کب تک کچھ نہ ہو تو دو میاں بیوی میں سیر بھر آٹا روز تو ہو۔ مگر ہو کہاں سے بیوی معذور میاں مجبور اس پر طرہ یہ کہ اِدھر آیا زچہ خانہ اُدھر آیا رمضان۔ دونوں کے چھکے چھوٹ گئے زچہ خانہ کا تو ایک بہانہ تھا۔ دلوں میں غبار بھرے ہوئے تھے! میاں بیوی کو دیکھ کر جلتے تھے بیوی میاں کو دیکھ دیکھ کر جلتی تھیں۔ اٹھائیسواں روزہ ہو گا۔ چار بجے کے قریب

بیوی کو بخار چڑھا! میاں سے کہنے لگی :-

ایک روزہ اور رہ گیا ہے۔ اللہ یہ بھی پورا کروا دے !

(میاں) ایک ہو یا دو میں تو ایسا پریشان اب کے رمضان بھر آ میرا ہی دل جانتا ہے! اماں جان کے سامنے میرے تیسوں روزے ہوتے تھے اب کے ایک پہلا اور منجھلا کل دو ہوئے! کیا کھا کے رکھوں اور کیا دیکھ کے کھولوں۔

(بیوی) مجھ سے پہلے رکھتے ہو تو خبر نہیں اگلے برس تو تم نے ایک بھی نہیں رکھا تم کیا اللہ بخشے خود ابا جان ہی گنڈے دار رکھتے تھے گھر بھر میں ایک اماں جان البتہ روزے کی پابند تھیں باقی تو سب چھوٹے اور بڑے دن دہاڑے دھڑلے سی کھاتے تھے

(میاں) تم ایسی بیہودہ باتیں کیوں کرتی ہو پندرہ دن کی بیاہی چاولوں کی دلھن تم کو کیا معلوم کس کو روزہ ہے کس کو نہیں یا جو دل میں آیا کہہ دیا۔ جو منہ میں آیا بک دیا۔ رو میں آئیں تو چھوٹے بڑے مردے زندے سب کو اکھاڑ پھینکا ؛

(بیوی) سبحان اللہ! دلھن تھی اندھی تو نہ تھی! منہ پر گھونگھٹ تھا یا کانوں میں ٹیٹیاں! دیکھی نہ تھی سنتی تو تھی! پکتا تھا اور میں جانتی نہ تھی کھلاتے تھے اور مجھے خبر نہ ہوتی تھی ؛

(میاں) جب کیا میں تو اب بھی اور فقط اندھی ہی نہیں اس کے ساتھ بدتمیز بے ڈھنگی پھوہڑ بدسلیقہ بلکہ اس سے بھی بدتر سمجھتا ہوں ایسی نیک قدم آئیں کہ سب ختم ہو گئے

(بیوی) میں منحوس تھی کہ گھر بھر کو بوس لیا! ساٹھ برس کے بڈھے پھوس میں کھا گئی تم تو بھاگوان تھے کہ میری جوان اماں کو نوش جان کر گئے! تقدیر پھوٹنی تھی پھوٹ گئی پیٹ بھرنے کو ٹکڑا نہ تن ڈھانکنے کو چیتھڑا فاقوں تک کی تو نوبت آ گئی اور کیا ہو گیا !-

(میاں) ہم نے تو چڑھاوے ہی کے وقت کہہ دیا تھا کہ روکھی بلکہ سوکھی روٹی ہم

اماں کی قبر پر جاکر چوڑیاں ماروں! ندھی تھوڑی تھیں! کیا دیکھ کر گیا تھا! ہاتھی جھوم رہی تھے؟
(بیوی) کیوں مرے ہوؤں کا صبر سمیٹتے ہو! اخیر اس تُوتُو میں میں سے کیا حاصل۔ میں تو ڈیڑھ کلام جانتی ہوں ہاتھ پکڑ کر نکال باہر کرو۔ تم کو سلام تمہارے گھر کو سلام میں اپنے گھر سے باندی آئی! اشراف ہوں گی تو پھر نام نہ لونگی ٭

(میاں) شرافت کیا ہوئی ایک آفت میری طرف سے تم ابھی بسم اللہ کرو۔ تم نام نہ لوگی تو میرا بھی کوئی پیغام نہ جائیگا! بس اب مُنہ سے کہا ہے تو کر کے دکھاؤ۔
(بیوی) آگ لگے ایسے بیاہ کو اور بھاڑ میں جائے ایسا سُہاگ اذان کی آواز کان میں آرہی ہے۔ روزہ نماز سب گیا گذرا ہوا ٭

دن بھر کا روزہ رات بھر کا فاقہ مٹکے پاس گئی تو پانی کی بوند نہیں آنجورے میں نون ڈھونڈا وہ نہ ملا کٹورے میں دو چھوہارے رکھے تھے وہ چوہا لے گیا چولھے کے پاس یہ کہتی ہوئی آئی ٭

!خاک میں ملوں میں رکھی ہوں! جو راکھ سے روزہ کھولوں!

چوبیس پچیس گھنٹے کی بھوکی پیاسی بخار چڑھا ہوا آنکھوں میں حلقے زبان پر کانٹے ہاتھ میں طاقت نہ پاؤں میں سکت۔ روزہ کھول کر نماز کو چلی! چکر آیا اور چکر کے ساتھ ہی دیوار کی ٹکر اس زور سے لگی کہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی! اور رو کر کہا!

"بس میں بہت جی اب خدا مجھ کو موت دے"!

بیوی نماز کو کھڑی ہوئیں میاں نے اپنا اسباب باندھنا شروع کیا وہ اسباب ہی کیا تھا! پرانے تین جوڑوں کی ایک گٹھڑی ٹوٹا ہوا حقہ پھٹی ہوئی رضائی جو ہاتھ لگی ایک چیتھڑا دری! بیوی کھڑی دیکھتی کی دیکھتی ہی رہی اور میاں اپنا اختر بختر لے لوا یہ جا وہ جا!

گئے اور ایسے گئے کہ بچہ تک ہو گیا اور بچے کے باپ نہ پلٹے۔

اچھے بُرے امیر فقیر کماؤ نکھٹو شریف رذیل معزز ذلیل ہندو اور مسلمان بُڈھے اور جوان شیخ سیّد مغل پٹھان پنجابی اور بنگالی سیری ور ستم اور دل والے کچھ دیکھے کچھ برتے مگر یہ اندھیر نہ کہیں دیکھا نہ سُنا پورے دن بیوی پہلونٹی کا زچہ نہ سر پر ساس نہ ادھی پاس تانبے کا برتن نہ گھنے کا تار ماں سوتیلی باپ بیزار اور میاں کو گھر میں قدم رکھنا حرام! کمبخت صورت شکل کا اچھا جوان تندرست پڑھا لکھا موٹا تازہ کچھ نہ ہوتا تو چپڑاسی تو ہو جاتا مگر کون ہوتا اور کیوں ہوتا! بری صحبت نے غیرت اور حمیت سب غارت کروادی! مزے سے تاش چپی اور چین سے سلفے کھینچیں! دن بھر بھڑوں میں رہے رات کو جہاں جگہ ملی پڑ رہے۔

تکلیف ہو خواہ آرام عمریں ختم ہو رہی ہیں اور زمانہ اُڑا چلا جا رہا ہے! وہ وقت آن بھی پہنچا اور نکل بھی گیا۔ کسی کا کام اٹکا نہیں رہتا تھا۔ اس کی بیوی کا بھلا کرے ساس سے زیادہ اور ماں سے بڑھ کر خدمت کی۔ بچہ ہوا! پلا! بڑھا! جس رات کا یہ ذکر ہے۔ ماشاء اللہ برس سوا برس کا تھا!

برسات کے دن تو تھے ہی مینہ کا برسنا کوئی نئی بات نہ تھی مگر خرابی یہ ہوئی ادھر تو بڑا مینہ اور مینہ بھی کیسا کہ موسلا دھار اور گھنٹہ نہ آدھ گھنٹہ بلکہ پورے چار پہر اوپر سے چلی ہوا اور وہ بھی پوروا۔ ہوا کیا ایک طوفان تھا کہ مکان اور دوکان در اور دالان اڑا اڑ گر کے آ رہے تھے۔ نہ اندھیاؤ کم ہوتا تھا نہ جھکڑ تھمتا تھا رات کا سناٹا! ہوا کا فراٹا! کڑک! چمک! مردوں تک کے کلیجے دہل رہے تھے! بارش کیا ایک آفت بلکہ قیامت تھی کہ جانوں کے لالے پڑ گئے عورتیں اور مرد بڈھے اور جوان گھر بار کمرے دالان! کپڑے لتے اوڑھنا بچھونا! روپیہ پیسہ چاندی سونا! گہنا پاتا برتن بھانڈا پلنگ چارپائی سب چھوڑ چھاڑ رنگنائی میں آ بیٹھے! بھیگیں گے تو بلا سے جان تو بچیگی۔ ہر طرف آفت بپا تھی! مکان گرا! دیوار آئی! سائبان اڑا! اچھل نکلی!

جھجھ پھولا! زینہ پھٹا! آدھی رات اور خلق خدا کی گریہ و زاری! مینہ کیا ایک چاند ماری تھی کہ چاروں طرف سے دھواں دھوں آوازیں آرہی تھیں ۔

حمیدہ غریب بد قسمت بدنصیب عورت ذات نہ کوئی سنگ نہ ساتھ۔ اس قیامت کی گھڑی کو اکیلی کھڑی گذار رہی تھی! قدرت کے کھیل تھے چراغ ٹمٹمانہ تیل یا اندھیرا گھُپ اور اس آفت کا سامنا! بدقسمتی سے دروازہ میں کواڑ بھی نہ تھا۔ اور ہوا کا جھکڑ کواڑ کی دھڑ دھڑ! دم پر بنی ہوئی تھی ذرا کھٹکا ہوا اور جان نکلی! عالیشان محل بڑی بڑی حویلیاں پکی پکی مکان سڑ رہے ہیں! کوئی گر رہا تھا کوئی جھٹک رہا تھا کوئی بیٹھ رہا تھا!

حمیدہ مظلوم کا مکان تو کس گنتی میں تھا۔ لمبی کوٹھری چھوٹا دالان حمام والی دیوار شام ہی کو بیٹھ چکی تھی۔ پاخانہ اور پاخانے کے ساتھ ہی باورچی خانہ اب آئے!

مینہ کی جھڑی لگی ہوئی تھی اور حمیدہ کھڑی اللہ اللہ کر رہی تھی آسمان پر نگاہ اور بچہ میں جان دروازے پر دھیان اور درے کی طرف کان! ایک آفت ہو تو کہی جائے ہر طرف مصیبت ہی مصیبت تھی حمیدہ اکیلی کا اللہ ہی بیلی تھا چھت کہتی تھی۔ اب گری دروہ کہتا تھا اب بیٹھا! پہاڑ سی رات ایک کواڑ کا گھر جان کا خوف چور چکار کا ڈر جن بھوت کا اندیشہ! دل ہوا ہو رہا تھا! مٹی تو دوپہر ہی سے جھڑ رہی تھی۔ اب منڈیر کی اینٹیں بھی شروع ہو گئیں! اینٹوں کا گرنا تھا کہ حمیدہ بالکل ہی بے آس ہو گئی۔ بدحواس ہو کر بچہ تو گود میں اٹھا لیا اور الگنائی میں آن کھڑی ہوئی بچہ کا اٹھانا تھا کہ اُس اللہ کے بندے نے بلکنا شروع کیا۔ ہزار ہی بہلایا مگر تو یہ کس باپ کا بچہ تھا جو جل جکاتی تھی اور دُکتا ہوتا تھا۔ تھپکا دودھ دیا۔ بہلایا۔ پھسلایا کبھی کلیجہ سے لگایا سب ہی کچھ کیا مگر اسکی چیخم دھاڑ نہ تھمی! ہائے ماں تا اس برس بھر کی جان پر اپنی جوان جان قربان تھی۔ اس پھول کے رونے میں سب بھول گئی خدا خدا کر کے صبح ہوتے ادھر مینہ تھما ادھر ہوا کم ہوئی بچے نے بھی دم لیا تو ذرا جان میں جان آئی! ایک ٹوٹی سوئی کھٹولی اور

سے لائی پھٹی ہوئی رضائی اس پر بچھائی اور بچے کو کلیجے سے لگا کر انگنائی میں لیٹ رہی! بچہ! ہلکان ہو کر چوپڑا ادھر بلی لوری اُدھر کا پکھوا دودھ منہ میں لیتے ہی گلے میں ہاتھ ڈالکر سو رہا! اللہ اللہ! بچہ کا کلیجے سے لگ کر سونا تھا کہ وہ رات بھر کی مصیبت و پریشانی کچھ بھی یاد نہ رہی۔ میاں کی بے اعتنائی باپ کی لاپروائی اپنی تنہائی سب بھول گئی! مامتا کے جوش میں زور زور سے بھینچتی تھی اور کہتی تھی:

"میں کیا کسی کی پروا کرتی ہوں اللہ میرے بچے کی عمر میں برکت دے۔ میرا میاں تو یہ ہے"۔

زندگی کی تمام خوشیاں اور جوانی کی بہاریں اس ننھی سی جان پر نثار تھیں! اسی کے دم کے ساتھ عمر کی تمام آرزوئیں اور ارمان لگے ہوئے تھے! لپٹ رہی تھی اور لپٹا رہی تھی چمٹ رہی تھی اور چمٹا رہی تھی۔ حمیدہ مظلوم اسی طرح قربان ہو رہی تھی۔ کہ برابر کی مسجد سے اذان کی آواز آئی! اٹھی درود شریف کا جزدان بچے کے پاس لا کر رکھا! وضو کیا اور نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔

فانوس خیال

مولٰنا محمد عبد الراشد صاحب الخیری مدظلہٗ۔ اپنا یہ لاجواب مضمون درج کرنے کی اجازت عطا فرماتے ہیں۔ اور آیندہ کو بھی تازہ مضمون عنایت کرنے کا وعدہ فرماتے ہیں۔

(ایڈیٹر)

ھوالناصر

سات سہیلیوں کا جھمکا

مرا ساتھ بلبل بھی دیتی نہیں ہے
چمن کا چمن ہمنوا ہو رہا ہے

جب تک ناولسٹ پلاٹ صحیح نہیں کرتا ہے۔ کوئی ناول، کوئی قصہ مزہ نہیں دیتا اور پلاٹ کی درستی نہیں ہو سکتی۔ تاوقتیکہ آدمی اس پوزیشن اور موقع کو اپنی آنکھوں سے دیکھ بھال نہ لے۔ اگرچہ اس تجربے پر بھی فقیر کی مضمون نگاری دلچسپ نہ بنی اور لٹریچر میں کوئی خوبی پیدا نہ ہوئی۔ مگر فقیر نے اس قاعدے کو بہتیرا نباہا۔ یہی سبب ہے۔ کہ عرب اور عجم اور یورپ کی سرزمین کے افسانے میں نہیں لکھتا اور جو کچھ لکھتا ہوں اس کے منظر میرے دیکھے ہوئے ہوتے ہیں ؎

شروع عشق میں گستاخ تھے اب ہیں خوشامد گو
سلیقہ بات کرنے کا نہ جب آیا نہ اب آیا

آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ کاشی جی یعنی بنارس کی تنظیم ہندومت میں صرف اسی وجہ سے نہیں ہے۔ کہ اس کی آبادی کے نیچے سری گنگا جی براج رہے ہیں۔ کیونکہ اگر گنگا کے بہنے سے ہی اتنی عظمت ہوتی۔ تو ہرکہیل ہردوار سے لیکر کاشی تک سینکڑوں گاؤں اور شہر گنگا کے کنارے آباد ہیں وہ سب کاشی کے ہم رتبہ ہوتے۔ یہ بات نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ کاشی جی کی برکت اور حرمت کے دو سبب اور بھی ہیں۔ ایک تو وہ شب کی پوری

ہے۔ یعنی مہادیو جی کی روحانیت وہاں جلوہ افروز رہتی ہے اور شیونا تھ کا جو مندر ہے۔ وہ مہادیو جی کا نگارخانہ ہے۔ دوسرے بنارس ہندو علوم و فنون کا دارالعلم ہے سارے ہندوستان کے پنڈت اور بید وید شاستر۔ پران اور ویدک۔ بنارس میں آکر تحصیل کرتے ہیں۔ اور سند لیکر فخر کرتے ہوئے اپنے اپنے ملکوں اور شہروں کو جاتے ہیں۔ اور اترا کر کہتے ہیں۔ کہ ہم کاشی جی میں اتنے برس رہے۔ اور ودیا پڑھ کر آئے۔ اسی باعث سے یہاں کے رہنے والوں۔ اور رہنے والوں میں بھی خاصکر پنڈتوں کو اپنے کمالات علمی پر بڑا ناز رہا ہے۔ اب سے پانچ سو برس پہلے مادھو رائے کے دھوریرے کے پاس ایک پنڈت شتیکر ناتھ نام رہتے تھے جنکی عمر تھوڑی تھی۔ مگر ودیا اور علوم و فنون کی دستگاہ بوڑھوں مہاماہوپادھیا پنڈتوں سے بھی کہیں زیادہ تھی۔ وہ شاعر بھی باکمال تھے اور ان کی ہندی زبان کی نظمیں سارے پورب میں لوگوں کی زبان پر تھیں۔ جب کبھی ان کے سامنے متھرا جی کا ذکر آتا۔ احمد کوی کہتا کہ برج کی بھاشا ایسی دلفریب اور ولولہ انگیز ہے جس سے سُن کر کلیجے سے دھوئیں اُٹھنے لگتے ہیں۔ اور دلوں میں اُمنگ آجاتی ہے۔ اور متھرا کے رہنے والے کیا چھوٹے کیا بڑے کیا ادنے کیا اعلیٰ سب تو میں بھاشا پیارے لہجہ اور فصاحت کے ساتھ بولتے ہیں"۔ تو پنڈت جی کو بہت ناگوار گزرتا۔ وہ ناک بھوں چڑھا کر کہتے متھرا پوری اس واسطے ضرور قابل تعظیم ہے۔ کہ سری کرشن جی مہاراج نے وہاں جنم لیا۔ میں متھرا جی کی محبت کو اپنا دھرم اور ایمان جانتا ہوں مگر زبان کی خوبی اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے میں اوسے ایک معمولی شہر گنتا ہوں۔ لوگوں نے اعتقاد کے مارے یہ بات بنالی ہے۔ کہ سارے برج کی بھاشا میٹھی ہے۔ اور ایسی سُتھری بولی کسی دیس کی نہیں ہے۔ میں خاص اسی لئے متھرا جاؤنگا کہ وہاں کے کامل الفن شاعروں کو اپنا فصیح کلام سُنا کر نیچا دکھاؤں اور یہ ثابت کردوں کہ کاشی کی بول چال برج کی بھاشا سے فصاحت اور بلاغت میں کسی طرح ہٹتی نہیں ہے۔ آخرکار

شینگر ناتھ کے غرور شاعری نے اونہیں مجبور کر دیا۔ اور وہ اپنی شاعری کی بیاض ساتھ لیکر بنارس سے متھرا کو چلدئے۔ اگلے زمانے کے لوگ کیا ہندو کیا مسلمان سفر کے دھنی ہوتی تھے۔ اور وہ اپنی حیثیت کے موافق سواریوں میں یا پیدل چلکر کالے کوسوں کو ناپ ڈالتے تھے۔ اور سردی گرمی کی تکلیفیں اور رستہ کی مصیبتیں اوٹھاتے ہوئے ہزاروں کوس نکل جاتے تھے۔ پنڈت جی بنارس سے اجودھیا جی پہنچے۔ اور مہاراج رام چندر کا جنم استھان سیتا جی کی رسوئی۔ رتن سنگھاسن۔ منی پربت۔ ہنومان گڑھی وغیرہ کو اعتقاد کی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے۔ اور دریاے سرجو (گھاگرہ) کا نظارہ اور شام اودھ کی دلفریبیوں کا مزہ لیتے ہوئے منزلیں طے کرکے متھرا کے قریب آن پہنچے۔ آفتاب غروب ہونیوالا تھا۔ اور شام اپنے سُہانے پن اور فرحت کے سامان لیکر چلی آتی تھی۔ جب پنڈت جی کشتیوں کے پُل پر آئے۔ تو انہوں نے جمنا کے پانی کو ایک خاص انداز سے بہتے دیکھا۔ شہر کے سنگین قصر وایوان اور محل دو محلّہ مندر۔ اور مندروں کے سنہری کلس اور رنگارنگ مکانوں کی ممٹیاں اس آراستگی کے ساتھ دکھای دے رہی تھیں جو عقل وحواس کو کھوئے دیتی تھیں۔ اور ان کا عکس دریا کے نرمل جل میں طلسمات پیدا کرتا تھا سنگ مرمر سنگ سُرخ۔ سنگ موسیٰ اور سنگ ابری اور طرح طرح کے پتھروں کے بنے ہوئے گھاٹ اور سیڑھیاں بہار دے رہی تھیں۔ کہیں کہیں مولسری۔ اور کرم اور مختلف قسم کے پیڑ کھڑے ہوئے تھے۔ اور ان کا ہرا ہرا سایہ دریا میں زمرد کی جھلک دکھا رہا تھا۔ پری جمال حور نژاد قمر دیدار خورشید نگاہ گوری چٹی عورتیں اور خوب رُو خوش ادا تنومند مرد دھوتیاں اور ساڑھیاں باندھے ہوئے نہانے میں مشغول تھے۔ سیر کے شائق بجروں اور کشتیوں میں سوار تھے اور دریا کی لہریں گن رہے تھے۔ سروِ آزاد شعلہ رُو نازنینیں آپس میں کچھ چھیڑ چھاڑ بھی کرتی جاتی تھیں۔ اور باتوں باتوں میں کچھ نوک جھوک سی ہو جاتی تھی۔ ان کی آوازیں ایسی رقیق اور جان پرور تھیں

جو مردہ کے کان میں پہنچیں۔ تو کفن پھاڑ کر قبر سے باہر نکل آئے۔ اُن کی باتوں میں امرت اور کالپی کی مصری گھلی ہوئی تھی۔ پنڈت شنکر ناتھ یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ کر اور برج کی بھاشا کی فصاحت بلاغت روزمرہ محاورہ مثل اصطلاح سنکر دنگ ہو گئے۔ اور ان کے کانشنس نے اندر سے کہا کہ میرا خیال بالکل غلط تھا بیشک برج کی بھاشا کو ہندوستان کی کوئی زبان خوبی میں نہیں پہنچ سکتی ہے۔ لہٰذہ یہاں کے رہنے والوں کا لہجہ کسی کو سیکھے سے آسکتا ہے پنڈت جی نے عقیدت اور ادب کے ساتھ جمناجی میں اشنان کیا۔ اور اپنا لبستہ بغل میں مارکر متھرا کے اندر داخل ہوئے۔ تو شہر کی تیاری بازار کی دھوم دھام آدمیوں کا ازدحام اور چہل پہل دیکھ کر آنکھیں کھُل گئیں۔ ہر مرد اپنے وقت کا کنہیا اور ہر عورت انہیں اپنے عہد کی رادھا ہی جچتی تھی۔ پنڈت جی سرائے میں پہنچے اور بھٹیاری نے انہیں ایک کوٹھڑی میں ٹھیرا دیا یہ پلنگ پر لیٹ گئے۔ اور بھٹیاریوں کی باتیں غور سے سننے لگے۔ اس میں رات کے ۹ بج گئے۔ ان کی کوٹھڑی کے سامنے جو کوٹھری تھی۔ اس میں ایک پاتر بیٹھی ہوئی کنگھی چوٹی کر رہی تھی۔ اس پاتر کی عمر ۲۰ برس سے زیادہ نہ تھی۔ شباب کے زور سے اسکے بدن کی جوت چراغ کی سنہری روشنی کو پھیکا کیئے دیتی تھی مسی مل ملکر آئینے میں وہ اپنے دانت دیکھ رہی تھی۔ اور پاس ہی کاجل کی کجلوٹی دھری تھی۔ ناگہاں ایک ذلیل سی بڑھیا میلا دوپٹہ اوڑھے پھٹا ہوا لہنگا پہنے۔ کولے پر ہاتھ دھری آئی (جو قرینے سے دلالہ یا کٹنی معلوم ہوتی تھی) اور اُس نے پاتر سے کہا جلدی چل وہ کل والا خریدار تیرا منتظر بیٹھا ہے۔ پاتر نے کہا سنگھار کر لوں تو چلوں۔ بوڑھیا بگڑ کر کہنے لگی ؎

تو کرت ہے سنگار وا کو جات ہے ادھار تو اترات ہے اُوت رات بیتی جات ہے

اس بے ساختہ گفتگو اور گفتگو کے چونچلے کو سنکر پنڈت صاحب کے ہوش ٹھکانے نہ رہے اور اپنی پوربی بھاشا اور متھرا کی زبان میں اتنا فرق معلوم ہوا۔ جتنا گڑ اور قلاقند میں یا جتنا نواڑے اور چنبیلی کے پھول کی خوشبو میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ انہیں یقین ہو گیا

کہ میں نے ایک دوہا بھی اپنا یہاں کے قابل آدمی کو سُنایا۔ تو وہ اس میں ہزار عیب نکالدیگا ان لوگوں کے سامنے شاعری جنابی ہاتھیوں سے گنے کھانے ہیں۔ یہی مناسب ہے۔ کہ علی الصباح یہاں سے چپ چاپ کاشی کو چلدوں۔ بہرحال رات سرائیں کاٹی اور متھرا کی صبح کو وہ ظہور کی تجلّی کے ساتھ افق پر نمودار ہوئی۔ شوالوں کے گھنٹوں نے چیخ چیخ کر زمین آسمان ایک کردیا۔ اور لوگ بھاشا میں بھجن گاتے ہوئے جمناجی کو اشنان کرنے کیلئے جانے لگے۔ جنکی سریلی آوازوں نے شنکرناتھ کا دل ہلادیا۔ وہ اپنی قلمی پستک کا بستہ بغل میں دبائے متھرا سے چلدیئے جب وہ ہولی دروازے کے باہر آئے۔ تو انہیں ایک باغ کی چار دیواری دکھائی دی۔ باغ کا دروازہ اس طیاری کا بنا ہوا تھا جو دیکھنے والوں کو مشتاق کرتا تھا۔ کہ اس کے اندر بیکنٹھ کی بہاریں ہیں بغیر دیکھے ہوئے نجانا۔ چنانچہ پنڈت جی کو باغ کی سیر کی سُوجھی اور وہ باغ کی دیوار کے اندر داخل ہوئے۔ واقعی باغ دلکشا اور فرحت بخش تھا اور صبح کی ٹھنڈی روشنی نے اس میں اور سُہانا پن پیدا کردیا تھا۔ یہ چمن اور روشیں طے کرکے جب بیچ باغ میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا۔ سنگِ مرمر کی ایک بارہ دری بنی ہوئی ہے اور بارہ دری کے صحن میں ایک سنگ مرمر کا حوض ہے۔ جو پانی سے چھلک رہا ہے۔ فوارہ چھُوٹ رہا ہے۔ حوض کے چاروں طرف سنگ موسیٰ کی پچیکاری ہو رہی ہے۔ بارہ دری کی چھت اور ستونوں پر سونے کے پانی سے نقاشی ہو رہی ہے۔ اور بارہ دری کے اندر مکلّف فرش بچھا ہوا ہے اور اُسپر سات حسین عورتیں جنکے آگے چاند سورج بھی ہیچ ہیں۔ بنارس کی زرتار ریشمیں ساڑھیاں باندھے ہزاروں روپے کا گہنا پہنے بیٹھی ہیں۔ یا آسمان پر عقدِ ثریا چمک رہا ہے غالباً وہ حوض میں نہا دھو کر بیٹھی تھیں۔ کیونکہ اُن کے بھونرا جیسے سیاہ اور سردی کی راتوں کے برابر لمبے بال کولوں سے نیچے پھیلے ہوئے تھے اور ہر ایک گل اندام کے مُنہ میں پان کی سُرخی تھی۔ یا قاعدہ کے خلاف آفتاب کے کلیجے میں سے شفق پھوٹ رہی تھی۔ پنڈت شنکرناتھ کا دل ان پریزادوں کو دیکھکر قابو سے نکل گیا۔ اور وہ ہاتھ منہ دھونے کے بہانے سے حوض پر بیٹھ گیا اور انکی میٹھی

باتوں کی طرف اس نے کان لگا دیئے۔ ان میں سے ایک نازنین بولی "آج تو کسی مہینے میں پرمیشر کی دیا سے ساتوں سہیلیاں باغ میں اکٹھی ہوئی ہیں۔ اسوقت سب اپنی اپنی باری سے ایک ایک بات کہیں جس سے من بہلے" دوسری بولی "جو کہے سو کھی کو چاٹے۔ بُوا تمنے ہی یہ بات نکالی ہے۔ پہل تم ہی کرو۔" پہلی نازنین نے سنکر جواب دیا "بہن میں گونگی نہیں توتلی نہیں۔ کنہیا جی کی کرپا سے برج میں پیدا ہوئی ہوں جہاں کے آدمی تو آدمی پتھر بھی شاعری کے مزے سے واقف ہیں۔ لو اب سنو میں کیا کہتی ہوں"

پہلی سہیلی اُٹھ بولی یوں :۔

"اے سکھی جو اَن کھایئں وہ جیویں کیوں ؛ ایک کھشکس کا دانہ۔ نو بر پسیا
دس بر چھانا واکے پیئے میرا پیٹ پرانا"

یعنی اے سہیلی میں اپنی نزاکت کیا بیان کروں ایک دن میں نے ایک خشخاش کا دانہ (جو طبی قاعدے کے موافق مخدر اور دافع درد ہے) ۹ بار پسوایا اور دس بار چھنوایا اور پھر جو اس کی ٹھنڈائی پی تو پیٹ میں درد ہوا ؛ دوسری سہیلی اُٹھ بولی یوں :۔

"اے سکھی جو پون کھایئں وہ جیویں کیوں۔ گولریں کی مکھی۔ وہ دیکھی میں
اپنی انکھی۔ اس کی جو لگی مجھے باؤ تباس۔ تو جا پڑی میں کوس پچاس"

یعنی اے سہیلی تمنے جو کچھ اپنی نزاکت کا بیان کیا وہ درست ہے مگر میری نزاکت کچھ آپ سے بھی بڑھی ہوئی ہے کیونکہ میں نہیں کہہ سکتی کہ جو عورتیں ہوا کھاتی ہیں وہ کیونکر جیتی ہیں میری آنکھوں کی دیکھی بات ہے کہ ایک گولر کا بھنگا اڑتا اور اس کے پروں کی جو مجھے ہوا لگی تو میں ہلکے پن کی وجہ سے پچاس کوس پر جا پڑی ؛

تیسری سہیلی اٹھ بولی یوں :۔

"اے سکھی جو بات چلیں وہ جیویں کیوں سیج اوتر بھوں لینا کروا۔
پھوٹ گئی پر گئی دونوں تروا"

یعنی میری نزاکت آپ دونو سے بھی زیادہ ہے۔ میں حیران ہوں کہ وہ کیسی عورتیں ہیں۔ جو چلتی پھرتی ہیں اور جیتی رہتی ہیں۔ میں نے تو اتفاقاً ایک روز سیج پر سے دونو پاؤں اُتار کر مٹی کی بدھنی اٹھائی تھی۔ اسی وقت میرے دونو تلووں میں آبلے پڑ گئے تھے ؎

چوتھی سہیلی اٹھ بولی یوں :۔

"اے سکھی جو کام کریں وہ جیویں کیوں میری پڑوسن کوٹے دھان واکی
دھمک پڑی میرے کان۔ وا جبیا ماری ایسی چھپٹے میرے ہاتھوں چھالے پڑے"

یعنی تم نے تو بھلا سیج پر سے ہلکر بدھنی لی تھی۔ آبلے پاؤں میں پڑنے ہی تھے۔ میں ایسی نازک ہوں کہ ایک دن میری ہمسائی اپنے گھر میں دھان کوٹتی تھی۔ اس کے کوٹنے کی ذرا سی دھمک میرے کان میں بھی آگئی وہ بجلی کی ماری ہوئی اس سختی سے دھان کوٹتی تھی۔ کہ فقط آواز سننے سے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ؎

پانچویں سہیلی اٹھ بولی یوں :۔

"اے سکھی جو پان کھائیں وہ جیویں کیوں ؟ ایک پان کھایا میں سانجھی
واکی پھانس لگی گل مانجھی ؟"

یعنی اے بہن جو عورتیں رات دن بکری کی طرح پان چبایا کرتی ہیں۔ وہ کیونکر جیتی ہیں۔ میں نے کل شام ایک پان کھایا تھا۔ اس کی پھانس میرے گلے میں ابتک خلش کر رہی ہے ؎

چھٹی سہیلی مسکرا کر اپنی نزاکت کا بیان کرنا چاہتی تھی جو ایک جگاوری بندر آیا اور وہ ٹھینگر ناکتھ کا لبتہ جو انہوں نے منہ دھونے کے وقت حوض کے کنارے پر رکھدیا تھا۔ اٹھا کر لے گیا۔ اور پنڈت جی ہنومان دیوتا ہنومان دیوتا کہتے ہوئے بھاگے۔ بندر بھلا اُن کی کب سنتا تھا۔ وہ لبتہ لئے باغ کی دیوار کود یہ جا وہ جا۔ پنڈت جی ہانپتے کانپتے باغ سے نکلکر ادھر گئے جدھر بندر گیا تھا۔ اتفاقاً ادھر سڑک تھی۔ لوگ رستہ چل رہے تھے۔ ان کے ڈرانے دھمکانے سے بندر نے بستہ پھینک دیا اور پنڈت جی نے جھاڑ پونچھ کر

اٹھالیا اور بھاگا بھاگ باغ کے دروازے پر اس امید میں آئے۔ کہ اندر جا کر ان دونو سکھیوں کی شاعری بھی سُن لونگا مگر انہوں نے دیکھا دروازے پر تتنگی تلواروں کا پہرا لگا ہوا ہے۔ انہوں نے اندر جانا چاہا۔ تو دو نو سنتریوں نے کہا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ جو منہ اُٹھائے باغ میں جانے کا ارادہ کرتے ہو۔ یہ نہیں جانتے کہ رانی جی کا باغ ہے بس میں مرد کوئی نہیں پھٹکا کھا سکتا ہے۔ پنڈت جی نے اپنے دل میں کہا۔ بڑی خیر ہوئی۔ کہ میں باغ میں سے نکل آیا تھا۔ نہیں خدا جانے یہ سپاہی میری کیا گت بناتے دو سکھیوں کے دوہے نہ سننے کا انہیں عمر بھر افسوس رہا۔ اور ان عورتوں کی فی البدیہ شاعری نے پنڈت جی کے دماغ سے سارا غرور نکال دیا تھا۔ وہ کان دبائے سیدھے کاشی جی کو چلے گئے۔ اور پھر انہوں نے برج کے رہنے والوں کے مقابلے میں اپنے کمال کی کبھی شیخی نہیں بگھاری ۔

حکیم ناصر نذیر **فراق** دہلوی محلہ رودگراں

مدرسہ ارادتمند خان مکان میر ظریف صاحب

فانوس خیال

حکیم سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی ہندوستان کے زبردست نثاروں سے ہیں۔ مولانا محمد حسین صاحب آزاد دہلوی مغفور سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ مندرجہ بالا مضمون حکیم صاحب موصوف نے ہماری استدعا پر عنایت فرمایا ہے ہم انکے بیحد ممنون ہیں اور آئندہ کبھی ایسے ایسے بے بہا جواہر معانی عطا ہونگے امیدوار ہیں ۔ (ایڈیٹر)

کسی کی تلاش

عرصۂ ہستی و طول شب گور و محشر بندھے بندہ و رب میں ابھی میدانوں کا
اے دامن جستجو میں پالی ہوئی آنکھ اس افضل الفاضلین ہستی کو تلاش کر۔ جو تیری ایجاد کا باعث ہوئی۔ اے ایک فلسفی دماغ کی ان تھک طاقت! اس اکمل الکاملین واجب الوجود کو ڈھونڈ جس نے تجھے اس قدر طاقت پرواز عطا کر رکھی ہے۔ اے خاک نیاز پر جھکنے والی پیشانی! اپنے معبود حقیقی کی درگاہ بے نیاز میں جھک خم ہو جا۔ اور اس نادیدہ مسجودِ حقیقی کی اطاعت بجا لا جس نے تجھے اسی مصرف کے لئے پیدا کیا ہے۔ اے دوران خون کی تیز روی سے گوشۂ دل میں نشو و نما پائی ہوئی آرزو! اگر تجھ میں جولانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ تو اس لطیف ترین وجود کی یاد میں بھی نعرۂ مستانہ لگا جس نے تجھے اس قدر نازک اور ہلکا جسم عطا کر رکھا ہے۔ اے دل کے بیابان میں اٹھتے ہوئے گرداب نما بگولو! تمہاری بلند پروازی دنیا کے غبار آلود منظر تک ہی محدود نہیں ہونی چاہئے بلکہ تمہارا معیار تجسس کم از کم لامکان کی اس چار دیواری تک تو ضرور ہو جو تمہاری ایجاد کی علت غائی ہے۔ اے زبان گویا تیری دھواں دھار تقریروں کا حقیقی نقطہ ماسکہ کسی فانی وجود کی مدح سرائی ہی نہیں بلکہ اس صانع حقیقی کا ورد واجب ہے۔ جس نے تجھے عمیت کے شعار سے گویائی کا دائمی لباس پہنایا۔ ہاتھ اگر اٹھیں تو دعا میں بارگاہ اللہ میں اہل القبور کی مغفرت کے لئے۔ اور مذہب اسلام کی اشاعت کے واسطے ہاتھوں کا کسی فانی معشوق کے آگے اپنے ناکردہ قصور کی تلافی یا کسی بیگناہ مظلوم کی ضرر رسانی کیواسطے اور پاؤں کا کوچہ جاناں کی راہ طے کرنے کے لئے پے درپے اٹھنا اعضائے جسمانی کا ایک استعمال ناجائز ہے۔ جو شرعی اخلاقی اور تمدنی

نقطۂ خیال سے ممنوع اور معیوب ہے ۔ ؎

قطع وہ ہاتھ جو پھیلیں کسی داماں کی طرف   ٹوٹیں وہ پاؤں جو دوڑیں در جاناں کی طرف

"اگرچہ جبہ سائی سے مقصود اپنا خط تقدیر ہی مٹانا ہے تو کیا اس کے لئے در جاناں کا سنگین پتھر ہی رہ گیا ہے ۔" اس تخیل سے ایک شاعر صاحب کی رجو یہ فرماتے ہیں ۔ ؎

بہانہ ہے تمہاری آستاں پر سجدہ کرنیکا   ارے بے رحم ہم تقدیر کا لکھا مٹاتے ہیں ۔)

بلند پروازی اور نازک خیالی چنداں قابل تحسین نہیں ۔ کیونکہ حضرت امیر مینائی مرحوم مغفور کا تخیل نہایت ہی ارفع و اعلیٰ ہے ۔ وہ فرماتے ہیں ۔ ؎

او بندہ بت دیکھ خدا اور ہی کچھ ہے   بت پردہ ہے پردہ میں چھپا اور ہی کچھ ہے

میدان تخیل ایک لق و دق میدان ہے ۔ جس پہ خاموشی کا عالم طاری ہے چاند کی ہلکی روشنی زمین پر درختوں سے چھن چھن کر پڑ رہی ہے ۔ کبک دری کی مستانہ چال نے ایک عجیب سماں پیدا کر رکھا ہے ۔ کہیں خشک بھوسلا گھاس ہے ۔ کہیں درخت خاموش کھڑے ہیں ۔ اور لمبے سائے ایک مظلوم شکل کی طرح ان کے پاؤں میں لیٹے ہوئے منہ کی طرف دیکھ رہے ہیں غروب ہوتا ہوا چاند خندہ پیشانی سے اس منظر کو کچھ عرصہ کے لئے خیرباد کہہ رہا ہے ۔ اور نظارہ بھی ایک معشوقانہ لہجے میں ایک خفیف سی جنبش کی آواز میں اس کا جواب دیئے جاتا ہے ۔ باقی سکتہ ہے ۔ خاموشی ۔ سکون ہے ۔ امن اور آرام ۔ جسے دیکھکر چرخ بریں کی ہزاروں آنکھیں پھوٹی پڑتی ہیں ۔ آتش حسد سے سدا جسم آبلوں سے پر ہے ۔ خلق خدا مزے سے اپنی اپنی آرامگاہوں میں بیخبر لیٹی ہوئی میٹھی نیند کے خراٹے لے رہی ہے ۔ کبھی کبھی کوئی اکا دکا ستارہ نگاہ غلط انداز سے کارخانہ عالم کو دیکھتا ہے ۔ اور پھر فلک کے نیلگوں پردہ میں اپنا منہ ایک عروس زیبا کی طرح ڈھانپ لیتا ہے ۔ شاید اسی تخیل سے تو کسی شاعر نے کہا ہے ۔ ؎

چرخ کو کب تھا سلیقہ یہ ستمگاری میں   کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں

ایک بلند آواز دل کو ہلا دینے والی صدائے ہولناک عالم موجوداتِ کے آرام میں تفرقہ ڈال دینے والی آواز گوشۂ مشرق سے آئی۔ اور تمام جنگل گونج اٹھا۔ دنیا اور آرام چین! الٰہی یہ کیا ہو گیا۔ عالم ناسوت اور نہ نالے کی صدا نہ درد کا شور و شین نہ آہ و زاری کی آواز نہ بکا و بین۔ رنج و مصیبت کہاں سوئے پڑے ہیں۔ دنیا اور نہ افتادہ شکست۔ برگشتگیٔ قسمت کدھر ہے۔ اور بخت رسا کی نارسائی کس کونے میں منہ چھپائے پڑی ہے۔ اے کوہ فاران کی بلند اور نور سے معمور چوٹیو! ذرا تم ہی میری راہنمائی کرو۔ پروردگار عالم کے لئے مجھے اس گوہر نایاب کا پتہ دو۔ جس کی تیز روشنی اس صراط المستقیم کا ٹھیک نشان دیتی ہے جو ایک خاکسار اور قصوروار بندے کو اس کے رب سے ملا دیتا ہے۔ اس عیاروں سے تنگ آئی ہوئی اور اغیاروں سے ستائی ہوئی ہستی کی اہمیت کو مٹا دینے والی آرزوؤں کا قافلہ اپنے قافلہ سالار کی تلاش میں کوہ و بیابان چھانتا پھرتا ہے۔ مگر اس کا نشان معدوم۔ سچے دلوں کو تڑپا دینے والی بیقراریاں اور سراپا اضطراب حسرتیں یادِ یثرب کی گود میں ڈالتا ہوں لیکن وہ انہیں راستے ہی میں پریشان کر دیتی ہے اور نشان مقصد معلوم۔ اے غارِ حرا کچھ تو ہی بتا۔ کہ وہ سراپا نور ہستی جس نے اپنی عمر کا ایک قیمتی حصہ تجھ میں صرف کیا تیری رفاقت میں کاٹا۔ آج کس قندیل میں جلوہ گر ہے۔ پیارے عرب کے پیارے نبی آج وہ اسلام جس کی بنا تو نے اپنے مقدس ہاتھ سے رکھی تھی۔ مایوس کر دینے والے واقعات سے حیران۔ اور یاس انگیز انقلابات سے پریشان ہو کر اپنے سچے موجد اور روحانی باپ کی تلاش میں ایک یتیم بچے کی طرح سرگرداں پھرتا ہے۔ اور جدھر جاتا ہے۔ بس محرومی مایوسی اور ناامیدی کو منہ پھیلائے دیکھتا ہے جو اس کے نگل جانے کو تیار ہیں۔ معاملات کی پیچیدگیاں اور واقعات کی کوتاہیاں

صاف کہے دیتی ہیں۔ کہ جس اسلامی انجن میں اس کے موجد نے تاریخ ایجاد سے ہی اس قدر سٹیم بھر رکھی ہے۔ کہ وہ بغیر کسی مزید آب و آتش کے آئندہ صدیوں میں بھی اپنی پوری رفتار سے بڑھتا چلا جائے۔ آگے بڑھ تو رہا ہے۔ مگر اُسے ایک روشن خیال اور ماہر فن انجنیئر کی ضرورت ہے۔ جس کی تلاش میں کوئی وجود عرب کی اس پاک سرزمین تک آنکلا ہے۔ جو ابھی تک بے شمار مومنین دلی آرزوؤں کو گلے لگائے انا و لاغیری کے نعرے لگا رہی ہے اور حالت تیز اضطراب میں پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔ کہ اے گنبد خضرا میں چین سے پاؤں پھیلا کر سونے والے فرقت اور ہجرت زدہ دل کے ایام جدائی کی داستان سن۔ عصائے موسوی لیکر اٹھ اور لحن داؤدی سے صفحۂ عالم کے دلوں کو مسخر کر۔ دل شکستگان اسلام (جن کی آہ وزاری کی آواز برج زحل سے بھی پرے نکل گئی ہے) کو تسلی دے۔ کسی کی خاراشگاف شور انگیزیاں سکان سمٰوات کو متزلزل کر رہی تھیں۔ کہ ہاتف غیبی کی ندا آئی۔ اور حقیقی اور سچی تلاش چند لمحوں کے لیے مستقبل پر ملتوی کر دی گئی۔ ؎

آواز۔ تو سمجھتا ہے یہ سامان ہے دل آزاری کا
امتحان ہے ترے ایثار کا خود داری کا

الحاصل ناگہانی آواز کی اس پند سودمند سے (کہ بہ نرمی ستمگروں میں کٹے رطب اللسان ہو کر۔ بسر کر عمر بھر بتیس ۳۲ دانتوں میں زباں ہو کر) قدرے ڈھارس بندی اور دل مضطرب کی بیقراریاں سرد پڑ گئیں۔

سیّد اصغر حسین نادر بٹالوی

غزل

حسن مطلق کا ازل کے دن سے میں دیوانہ تھا
لامکان کہتے ہیں جسکو وہ مرا کاشانہ تھا

باغ عالم کا تماشا باعث غفلت ہوا
دیکھنا آنکھوں کا کانوں کیلئے افسانہ تھا

کیا ہوا انکار اگر اصرار موسیٰ پر ہوا
یہ کمال شوق تھا وہ ناز معشوقانہ تھا

گل سراپا گوش بنتے کیوں نہ سننے کے لئے
چہچہے بلبل کے گلشن میں ترا افسانہ تھا

جگمگٹے لیلیٰ وشوں کے دیکھنے تھے شہر میں
جا کے جنگل میں بسا مجنوں بڑا دیوانہ تھا

وصل ہوتا کس طرح خلوت کہل تھی رات کو
پھول تھی نرگس کے رکھے شمع تھی پروانہ تھا

مزرع عالم میں مجھ سا سوختہ قسمت کہاں
جلگیا قسمت کا میری کھیت میں جو دانہ تھا

دیر کی تحقیر کر اتنی نہ اے شیخ حرم
آج کعبہ بن گیا کل تک یہی بتخانہ تھا

دیگئی منصور کو سولی ادب کے ترک پر
تھا انا الحق حق مگر اک حرف گستاخانہ تھا

میں تڑپ کر کیوں لگاؤں ناز برداری میں داغ
رک کے خنجر پھیرنا تو ناز معشوقانہ تھا

یار ادھر بدمست میں بیخود تکلف برطرف
ایسی صحبت میں جو آتا ہوش کیا دیوانہ تھا

نیند کے جھونکے چلے آتے تھے کیوں ہنگام ذبح
تیغ قاتل کی زبان پر کونسا افسانہ تھا

آج جس دل کا کوئی گاہک نہیں کل تک یہی
حور کا آئینہ تھا زلف پری کا شانہ تھا

بیٹھے بیٹھے حکم دے بیٹھے وہ قتل عام کا
جب کہا یہ کیا تو لے ناز معشوقانہ تھا

پوچھتا پھرتا ہے غم اسکا میرے سینے میں اب
کیا ہوا وہ جو یہاں دل نام اک ویرانہ تھا

حال میرا سنکے وہ بولے کہ جی دکھنے لگا
ہائے کس کمبخت کس بیدرد کا افسانہ تھا

تر پسینے ہی میں شمعیں تیری محفل کی رہیں
گو پروں سے پنکھیا جھلتا ہر اک پروانہ تھا

جام جم کو دیکھتے ہی میں نے پہچانا امیر
میرے ہی میخانہ کا چھوٹا سا اک پیمانہ تھا

دارین کی نیرنگیاں

(ایک اردو نظم کا دوسرا پہلو)

روح کیا ہے؟ انتشارِ جذبۂ نام و نشاں — جسم کیا ہے مادّہ کی شعبدہ پردازیاں
عقل کیا ہے؟ فطرت جوشِ خودی کا ولولہ — عالم کیا ہے۔ پرتو شمعِ حریمِ کن فکاں
کعبہ کیا ہے؟ یادگارِ طاعتِ بزمِ خلیل — دیر کیا ہے۔ جلوہ گاہِ قدرتِ ربِّ جہاں
نخلِ طوبا ہے نہالِ گلشنِ وہم و خیال — آبِ زمزم۔ آبِ کوثر۔ چادرِ آبِ رواں
لامکاں کیا ہے، مکانِ قید سے وارستگی — گلشنِ فردوس کیا ہے، سبز باغِ ارمغاں
سایۂ تخئیل کا اک شعبدہ ہے پلصراط — وہم کی منزل ہے، دوزخ ہے جو مشہورِ جہاں
ایک ہی گلزار کے دو پھول ہیں نیکی بدی — ایک میں ہیں گل نمایاں، ایک میں کانٹے عیاں
صبر کیا ہے۔ گاؤتکیہ کاہلانِ دھر کا — ہے قناعت اضطرابِ رنج و محبت کی اماں
پارسائی ہے شعاعِ اخترِ حرص و ہوس — ہے پرستی بے خودی کی آتشِ دل کا دھواں
زندگی تغیرِ حالت کی ادائے خاص ہے — نیستی ہستی فقط اجسام کی تبدیلیاں
آسماں کی ابتدا کیا ہے۔ نظر کی انتہا — عالمِ ایجاد کیا ہے خوابِ نوشیں کا سماں

موت جس کا نام ہے طالب وہ ہے اک انتقال
"ہیں یہی "دارین کی نیرنگیاں"۔ کہیئے کہ "ہاں"!

اردو لٹریچر

Who shall desport the poets golden threa
From the fine tissues of Philosophy?
Mounts to one goal each guess that upwards lea
Whether it soar in some impassioned sigh
Or, some still thoughts; alike, it doth but tend
To light that draws it heavenward. 'Tis but one
Great law that from the voilet lifts the dew
At dawn and twilight to the amorous sun
Or calls the mist which navies glimmer through
From the vast hash of an unfathom'd sea

یہ خیالات کچھ انوکھے نہیں۔ ایشیائی شعرا بھی ایسا ہی لکھ گئے ہیں۔ الہام کے واسطے یہ ضرور نہیں۔ کہ وہ اچھا ہی ہو۔ بلکہ بری باتوں کا قلب پر القا ہونا بھی ایک قسم کا الہام ہے۔ قرآن میں ہے۔ اَلْهَمَهَا فجورھا وتقوٰیھا ؛

انگلش شاعر کا مقصد یہ ہے۔ کہ شاعر اور انشا پرداز کی زبان یا قلم سے جو فقرہ یا مصرعہ نکلتا ہے۔ وہ اس آسمانی الہام کا پرتو ہوتا ہے۔ جو اسکے قلب پر القا

کہا جاتا ہے۔ یعنی خلاف قانون قدرت و فطرت ایک لفظ کبھی اس کی زبان یا قلم سے نکلتا۔ کیونکہ جذب الہامی اس کو اپنی جانب کھینچ لیتا ہے۔ اسلئے عربی مقولہ ہے۔ کہ الشُعرَا تلامیذ الرحمٰن۔ یعنی شعرا رخدائے تعالٰے کے شاگرد ہیں۔ انکا قلم ان کی زبان الہام آلہی کے تابع ہوتی ہیں۔ اگر وہ لغو اور بیہودہ شاعری کی طرف مایل ہوں۔ تو اُن کی زبان کھینچکر تالُو میں لگ جائے۔ قلم پکڑنے سے ان کا ہاتھ مفلوج ان کی انگلیاں سُن اور شل ہو جاییں۔ کیونکہ فسق و فجور کی شاعری اور خیالات درائی شیطانی وسواس ہیں۔ جو الہامی بندوں کے حضور باریاب نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے رُومی فلاسفر نے لکھا ہے ؎

شاعری جزویست از پیغمبری
جاہلانش کفر خوانند از خری

مطلب یہ ہے۔ کہ شاعر کے مصرعے یا فقرے کا اثر یا اس کے خیالات کا پورا پورا اظہار ہو یا نہو۔ مگر وہ سرسری اور عبث نہیں ہوتے۔ بلکہ اُنکا مرجع وہی آسمانی الہام ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا۔ کہ گندہ اور تاریک شاعری آسمانی شاعری نہیں ہے۔ بلکہ شیطانی اصطلاح ہے۔

آگے چلکر کہتا ہے۔ کہ "وہ بڑا قانون ایک ہی ہے۔ جس سے ہر صبح خوشرنگ پھول پر شبنم گرتی ہے۔ اور ہر متوالے سراپا عاشق مزاج پر شفق پھولتی ہے۔ اور وہی قانون بے تھاہ سمندر سے کہرے کو جو جگمگاہٹ میں تیرتا ہے بُلاتا ہے" کتنا پاکیزہ نیچرل سمان ہے۔ جس سے شاعر کی معلومات اور فطری جذبات خود بخود عیاں ہیں۔ کائنات و مکونات میں تین ہی چیزیں ہیں۔ آسمان۔ زمین سمندر۔ انہی تینوں پر شاعر لاز آف نیچر یعنی قوانین قدرت کا محیط ہونا بیان کرتا ہے آفتاب کا اثر زیادہ تر انہی تین چیزوں پر ہے اور یہی تین چیزیں اپنے اپنے وقت

پر خوشنما معلوم ہوتی ہیں ؛

مطلب یہ ہے۔ کہ لاآف نیچر ایک ہے۔ مگر اس کا عمل اور اثر مختلف ہے۔ اور یہ نہایت عجیب امر ہے۔ کہ ایک قانون مخالف اور متناقض چیزوں پر اپنا اثر اور رنگ بدل کر دورہ کرتا ہے۔ بجز قانون قدرت کے کوئی انسانی قانون ایسا نہیں ہو سکتا۔ پس انسان کا کام ہے۔ کہ چشم عبرت سے قانون قدرت کے نفاذ و عمل کا نظارہ کرے۔ اور سمجھے کہ تمام نظام شمسی اور ارضی بلا وجہ اور عبث نہیں ہے۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا الآیہ (یا خدا تو نے یہ سب کچھ عبث نہیں پیدا کرتا)؛

نظم و نثر کیا شے ہے۔ متکلم کے اظہار مافی الضمیر کے آلات و نقوش ہیں۔ اگر ان کے ذریعہ سے صرف حیوانی قوتوں اور شہوانی ولولوں کو تحریک ہوئی۔ تو انسانی قوتِ ناطقہ و سامعہ مدرکہ بے سود ٹھیری۔ بلکہ انسان بھی دیگر حیوانات کے زمرے میں داخل ہو گیا۔ کیونکہ طیور و حیوانات دانہ و علف اور از دیادِ نسل کے اشاروں اور آوازوں کے سمجھنے پر قدرتی طور سے قادر ہیں۔ نظم و نثر سے واضع کا یہ مطلب ہے۔ کہ عمدہ خیالات ظاہر کئے جائیں تاکہ انسان جو اپنی اصلی فطرت میں حیوان ہے۔ انسانیت سیکھے۔ تہذیب نفس و تزکیۂ اخلاق کا سبق حاصل کرے۔ بالخصوص نظم تو ایسا موثر الہ ہے۔ کہ بہ نسبت نثر کے اُس سے انسانی قلوب جلد متاثر ہوتے ہیں۔ اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا۔ نظم کی شان ہے۔ دوسرا فایدہ۔ کہ کتابوں کی بعض عبارتوں اور مسلسل طویل فقرات کو انسانی حافظہ مجتمع نہیں کر سکتا۔ مگر اشعار کو ایسی طرح اخذ کر سکتا ہے۔ کہ ہمیشہ یاد رہیں۔ بعض انسانوں کو سینکڑوں نہیں ہزاروں اشعار یاد رہیں لیکن نثر کی جو کتابیں ان کے زیر نظر رہتی ہیں۔ یا انہوں نے پڑھی ہیں۔ شاید انکا سالم ایک فقرہ

بھی یاد نہو۔ وجہ یہ ہے۔ کہ کلام منظوم مربوط اور قوافی و ردیف میں ڈھل جانے سے خود بخود یاد ہو جاتا ہے۔ اور کلام دل کش و مرغوب کو قوتِ جاذبہ خود کھینچ لیتی ہے ؛

لیکن اصل حقیقت یہ ہے۔ کہ اخلاقی۔ مہذب یا فحش کلام کی جانب راغب ہونا انسان کی عادت پر موقوف ہے۔ اگر عمدہ تعلیم و تربیت پائی ہے۔ تو اسکی طبیعت لغو اور بے سُود مخرب اخلاق اور حیوانی جوش پیدا کرنیوالے کلام سے ضرور مُتنفر ہو گی۔ اور اگر ابتدا ہی سے نا تربیت یافتہ ہونیکے باعث اسکے خیالات خراب ہو گئے ہیں۔ تو ویسے ہی کلام کی جانب رغبت ہو گی۔ جیسا مثنویوں۔ واسوختوں اور عشقیہ غزلوں میں موجود ہے۔ اور اس خلاف فطرت شاعری کا ایک طوفان برپا ہو رہا ہے۔ اور کوئی نہیں خیال کرتا۔ کہ ہم کس مخمصے میں پڑے ہیں۔ قوتِ ممیّزہ کُن۔ ہو گئی ہے۔ اور طبایع بیحس ؛

مہذب ممالک میں فحش گوئی۔ فحش نویسی۔ مخرب اخلاق شاعری اور انشا پردازی جرم میں داخل ہے۔ وجہ یہ ہے۔ کہ تمام ملک تعلیم یافتہ ہے۔ یورپ کے شاعروں اور انشا پردازوں کے ایسے خیالات ہی نہیں جب کوئی یورپین ایسے اشعار سنتا ہے۔ یا تو متحیر ہو جاتا ہے۔ یا نفرت کرتا ہے۔ ہمارے شعرا کے نزدیک جو اشعار مہذب اور ثقہ ہیں۔ وہ درحقیقت انتہا درجے کے فحش اور غیر مہذب ہیں۔ پھر واقعی فحش اور غیر مہذب اشعار کا تو کیا ٹھکانا ہے۔ مثلاً ایک شاعر کہتا ہے ؎

ہم نے کس تدبیر سے انکو کیا شب بے حجاب
ایک بات ایسی کہی جامے سے باہر ہو گئے

دیکھئے یہ شعر سراسر فحش ہے۔ لیکن جن لوگوں کو ایسی شاعری کا مذاق ہے۔ وہ سُنتے ہی اچھل پڑینگے۔ واہ کمال کیا ہے۔ حضرت شعر ایسے ہوتے ہیں غضب کا

مضمون ہے۔ ظالم نے کیسی لطیف اور نازک بات نکالی ہے۔ بس حد کردی۔ قلم توڑ دی۔ بھلا کوئی کیا لکھ سکتا ہے۔ وغیرہ"

پریس اشاعت کا بڑا زبردست آلہ ہے۔ گذشتہ زمانے میں ایسا آلہ کہاں تھا۔ تاہم فحش اور خراب شاعری کی برابر اشاعت ہوتی رہی۔ اور موجودہ زمانے کے خیالات اُسی شاعری کا نتیجہ ہیں۔ وہ کتابیں بیشتر ہمارے بچے پڑھتے ہیں۔ اور ابتدا ہی سے ان کے خیالات خراب ہو جاتے ہیں۔ بڑی وجہ یہ بھی ہے۔ کہ بہ نسبت اچھے خیالات کے بُرے خیالات زیادہ اثر پذیر ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ نفس انسانی برائی کی جانب زیادہ مایل ہوتا ہے۔ پس ہمارے شاعروں کو خیال کرنا چاہیے۔ کہ ان کا لغو اور بیہودہ کلام جو پریس کی بدولت ملک میں شایع ہوتا ہے اس کا موجودہ اور آینوالی نسلوں پر کیا مضر اثر پڑیگا۔ اور ان کے نامۂ اعمال میں کتنا بُرا اجر لکھا جائے گا؛

انگلستان میں گورنمنٹ کی جانب سے کوئی سکول یا کالج نہیں۔ قوم کی تعلیم کا بار قوم کے ذمے ہے۔ اور جابجا کمیٹیاں مقرر ہیں۔ جو ہمیشہ تعلیم کی کتابوں پر نظر ڈالتی اور جدید انتخاب کرتی رہتی ہیں۔ لیکن ہندوستان میں جس طرح کثرت سے قومی مدارس نہیں۔ اسی طرح انتخاب کتب درسیّہ کی بھی کوئی کمیٹی نہیں؛

شعیب احمد ندرت میرٹھی

کچھ تو پڑے دباؤ دلِ بے قرار پر۔　　پارہ بھرا ہوا مری تربت میں چاہیے (داغ)

بہے بحرِ فنا میں جلد یارب لاش بسمل کی　　کہ بھوکی مچھلیاں ہیں جوہر شمشیر قاتل کی (امیر)

تصویر ہستی

کشور ہستی سے راحت کس قدر روپوش ہے
سو مصیبت در قفا ہے سو بلا ہمدوش ہے

ہر طرف برپا ہے شور نغمۂ رنج و عنا
یعنی اس محفل میں ساز عافیت خاموش ہے

داستاں عبرت کی سنتا ہوں لب ہر نیرنگ سے
ہر بن ہر مو جسم پر گویا سراسر گوش ہے

غم ہے جسکی ماہیت وہ ہے یہاں کی خوشدلی
نیش ہے جسکی حقیقت وہ یہاں کا نوش ہے

ہر نگاہ منتظر ہے اک در وا کی مثال
ہر دل پر شوق اک پھیلا ہوا آغوش ہے

کیوں نہو رشک سلیماں ہر پری اس قاف کی
آشیان مرغ جاں گنج ہوا کا دوش ہے

کس قدر لذت فزا ہے جام صہبائے الم
کیا بلا نوشی ہے درد آشام ہر مے نوش ہے

ہاں جگر جلتے ہیں اسمیں اور دل روتے ہیں خوں
یہ گزک یہ مے ہے جس پر بزم بادہ نوش ہے

کیوں نہو داغ مصیبت میہمانوں کو نصیب
خوان نعمت ہے زمیں اور آسماں سرپوش ہے

آج سے بڑھکر یہاں کل ہونیوالے قلق
اس حوادث گاہ میں امروز رشک دوش ہے

رنج ہوتا ہے مآل آرزوئے انبساط
خبط ہے وحشت ہے انکو جو راحت کوش ہے

خندۂ نوشین گلشن اصل میں ہے زہر خند
عارض گل کی نمی اک گریۂ پر جوش ہے

گوش عبرت چاہئے اسکی سماعت کے لئے
ساز ہر تار نفس میں نالۂ خاموش ہے

مسکن قلب رمیدہ ہے بیابان غزال
خوابگاہ بخت خفتہ خانۂ خرگوش ہے

حال دل کسکو سناؤں کون سنتا ہے یہاں
ایک ہی بلبل زباں سارا جہاں گل گوش ہے

کیا زباں ہے مختصر افسانۂ غم ہے دراز
سرمۂ آواز گرد کاروان ہوش ہے

اندریں بزم آنکہ از پیدا و پنہاں دیدہ ام
جز حسرت دیدہ ام بیداد ہر ساں دیدہ ام

[illegible]

فغانِ قوم

ایک پُر اثر قومی نظم۔ خاص "فانوس خیال" کے لئے

کل رات ہمنے طالب اک طرفہ خواب دیکھا
اک نازنین کو گریاں زیرِ نقاب دیکھا

گویا گہن کے پردے میں ماہتاب دیکھا
زیرِ سحاب گویا اک آفتاب دیکھا

اس نے نقاب اٹھائی جو وقت رونمائی
چہرے سے اسکے پیدا سخت اضطراب دیکھا

پیچیدگی نہ ایسی زلفِ بتاں میں ہوگی
اس ماہ رُو کے دل میں جو پیچ و تاب دیکھا

دل ہو گیا ہمارا فی الفور پانی پانی
جب اسکی چشمِ فتاں کو آب آب دیکھا

چھاتی پھٹی۔ کلیجہ کلفت سے منہ کو آیا
جب فرطِ غم سے اس کا سینہ کباب دیکھا

پوچھا یہ میں نے اُس سے اے حُور کون ہے تُو
کس طرح تو نے ایسا حال خراب دیکھا

بولی وہ بستۂ غم میں ہوں وہ قوم ہندی
جسکو کبھی تھا تمنے عظمت مآب دیکھا

پہچان کر سے پھر میں نے یہ اس سے پوچھا
اے قوم تو نے کیونکر یہ انقلاب دیکھا

بولی وہ۔ اپنی غفلت اور اپنی کاہلی سے
راہِ صواب کی جا میں نے عذاب دیکھا

اعمالِ بد ہمارے۔ احوالِ بد ہمارے
سوزِ جگر ہیں جن سے یہ التہاب دیکھا

میں نے کہا کہ بے شک اے قوم اپنی چالوں
تو نے عذاب دیکھا۔ حال خراب دیکھا

بیگانگی و نفرت تجھ میں سما رہی ہے۔
سُستی سے جاہلی سے تو نے عذاب دیکھا

تحقیر کی ہے تو نے جو مادری زبان کی
اللہ کا اُسی سے تو نے عتاب دیکھا

اصلاح کر اب اپنی۔ توبہ سے پھر سُدھر جا
دیکھا جو خیر دیکھا۔ اچھا خراب دیکھا

ہاں کر کے وہ سدھاری رنج و الم کی ماری
چہرے پہ اسکے میں نے رنگِ حجاب دیکھا

آنکھیں کھلیں جو طالب تو یہ خیال آیا
یہ رنج و درد دیکھا ہمنے کہ خواب دیکھا

رباعیات طالب

ہمدم نہیں انسان کا سچا کوئی — تا عمر نبھاے نہیں ایسا کوئی
افلاس میں آزار میں ہر حالت میں — جز مرگ کے ساتھی نہیں اپنا کوئی

ولہٗ

اشرار۔ نہ وہ عربدہ کاروں میں ہے — کفّار۔ نہ شیطان کے یاروں میں ہے
طالب! رہِ نیکی میں کرو اسکی تلاش — واللہ خدا نیک شعاروں میں ہے

ولہٗ

محنت سے گُل بخت کھِلا کرتا ہے — محنت سے زر و مال مِلا کرتا ہے
محنت سے ہے انسان نصیبوں کا دھنی — کاہل ہے جو قسمت کا گِلا کرتا ہے

ولہٗ

دیکھی مطلب کی آشنائی ہم نے — دیکھی نہ دلوں میں کچھ صفائی ہم نے
پیسے خرچے تھے جسکی خاطر اس میں — پائی بھر بھی وفا نہ پائی ہم نے

ولہٗ

سردار بھی تقدیر بنا دیتی ہے۔ — زردار بھی تقدیر بنا دیتی ہے
بے پر کی اُڑاتے ہیں مقدّر والے — بردار بھی تقدیر بنا دیتی ہے

طالب بنارسی از بمبئی

موسم گرما اور غریبوں کی فریاد

از منشی علی احمد صاحب قریشی بلاغت امروہوی تلمیذ حضرت تسلیم مرحوم

آجکل گرمی قیامت خیز ہے — باد صرصر تن پہ تیغ تیز ہے
کروٹیں لیتا ہے دل مثل کباب — دارِ فانی میں ہے دوزخ کا عذاب
سخت مضطر آہ غم کے مارے ہیں — خاک کے ذرے ہیں یا انگارے ہیں
الاماں کیا دھوپ ہے تپتا ہے گھر — ہر بنِ مو سے نکلتے ہیں شرر
یاخدا کیوں جان پر ہے یہ عذاب — کیا سوا نیزے پہ آیا آفتاب
دیکھتا ہوں ملکے آنکھوں کو جدھر — ہے قیامت کا سماں پیش نظر
کیسے گذرے آہ اب کیونکر بنے — کیا عجب گر دھوپ سے جاں پر بنے
شعلہ زن ہے گرمیوں سے پور پور — تن پسینے میں ہے سارا شور بور
جاں بلب ہمکو حرارت نے کیا — لب ہٹے نے آب قسمت نے کیا
کیا سناؤں ماجرائے العطش — ہے ہر اک لب پر صدائے العطش
تو نے اے گرمی کیا برباد ہائے — جان لیتی ہے تری بیداد ہائے
کچھ نہیں کھلتا کہ کیا مقصود ہے — مخلصی کی شکل ہی مفقود ہے
ہم غریبوں کی ہو کیونکر زندگی — قہر ہے خورشید کی تابندگی
ہم پریشاں حال اب تو ہو چکے — آہ اپنا نقد راحت کھو چکے
رات دن ہم خون دل کا پیتے ہیں — اس کی رحمت کے سہارے جیتے ہیں
ہاں وہی تیر اگر گی سدّ باب — آئیگا در برج حمل میں آفتاب

دیکھ لینا چھائیگی کالی گھٹا　　جھوم کر آئیگی متوالی گھٹا
ہم غریب و مفلس و نادار ہیں　　چور سہنے کے لئے طیار ہیں

امیروں کے سامان عیش

تجھ سے ہے محفوظ امیروں کا مکان　　واں نہیں ہے نام کو تیرا نشان
چلمنیں خس کی پڑی ہیں چارسُو　　اور فواروں سے گھر ہے آبجو
چلمنوں پر وہ ہیں اُن کی پھُہار　　چادر آبِ رواں سے آشکار
لہلہاتی وہ گلوں کی کیاریاں　　عطر پر وردہ حنا کی ٹٹیاں
چلتے ہیں پنکھے گلوں کے چارسُو　　اور ہر گل سے عیاں جوشِ نمو
منہ پہ سینے پر چھڑکتے ہیں گلاب　　برف میں جھل جھل کے پیتے ہیں شراب
فکر سوز- اندیشۂ غم برطرف　　کرتے ہیں چھڑکاؤ سقّے ہر طرف
دار رحمت بنگیا ہے ان کا گھر-　　ہو نہیں سکتا کہیں لُو کا گذر-
رُخ ہر اک بشاش ہے دل شادمان　　دیدنی ہیں تیری ٹھنڈی گرمیاں
ہے یہ شدت فضلِ بارش کی کلید　　قہر کی چتون سے ہے رحمت کی نوید

تجھ سے سب نالاں ہیں کیا دیکھا نہیں
اک بلاغت ہی ترا گشتہ نہیں-

نوٹ:- مکرمی محمد عبد المجید صاحب ازل لاہوری تلمیذ نواب فصیح الملک حضرت داغ مغفور اپنا دیوان مخز لیبات مرتب کر رہے ہیں- اور امید واثق ہے- کہ اسی سال میں چھپ کر تیار ہو جائے گا- صاحب موصوف عام شعراء سے عموماً اور شاگردان داغ سے خصوصاً قطعات تاریخ طلب کرتے ہیں پتہ یہ ہے:- منشی محمد عبد المجید صاحب ازل- دہلی دروازہ محلہ سیداں- لاہور پنجاب- ایڈیٹر

"قوم"

میرا قلم ہے بلبل شیریں زبان قوم
میری زباں ہے طوطئے شکر فشان قوم

پڑتا بلب ہے نے کی طرح داستانِ قوم
میرے ہر استخواں میں بھری ہے فغانِ قوم

پہونچیگی گوشہائے فلک تک فغان قوم
گویا مری قلم کی زبان ہے زبان قوم

یہ خوف ہے کہ نیند نہ آجائے قوم کو
کہتا تو ہوں میں درد بھری داستان قوم

اے قوم دیکھ دیدۂ غفلت کو کھول کر
لوح طلسم حادثۂ کن فکاں قوم

اک وقت تھا کہ کنگرِ جاہ و جلال پر
اڑتا تھا کہکشاں فلک تک نشان قوم

رفعت سے اسکا تاج تھا تاج سر فلک
تھی عز و شان عزت و شاں عز و شان قوم

روئے زمیں پہ اسکے قدم کا نشاں تھا
گلگونہ تھا غبار رہِ کاروان قوم

تھی طبقۂ زمیں سے جدا اس کی سرزمیں
تھا ان نہ آسمان سے پرے آسمانِ قوم

رفعت تھی پہلے آج تنزل نصیب ہے
تحت الثرےٰ ہے آج جو تھا آسمان قوم

اب ہے کہاں ارادتِ گیتی نوردِ قوم
اب ہے کہاں عزیمت کشورستان قوم

آپس ہی میں ہیں برسرِ پیکار نوجوان
شمشیر اختلاف کھنچی درمیان قوم

جڑ کاٹ دی نفاق کی قطع و برید نے
افسوس پائمال ہوا گلستان قوم

مرجھا گئے دلوں کے ارادے یہ کیا ہوا
بادِ بہار بن گئی بادِ خزان قوم

آتا نہیں نظر وہ جلال جہان پناہ
آباد پھر بھی دیکھئے ہوگا جہان قوم

طوفان کی طرح منہ سے اوبلتا ہے خون دل
کیوں بنگیا دہانۂ دریا دہانِ قوم

اک حشر ہو رہا ہے بپا ہائے ہائے ہائے
شور فغاں قوم ہے صور دہان قوم

ڈھکتی نہیں وہ دامن ہمت سے کسلئے
عیب عیانِ قوم ہے رازِ نہاں قوم

سمجھے ہیں اہلِ قوم تجارت کو عار و ننگ
ٹکڑا گداگری سے بھی آتا نہیں ہے ہاتھ

آوارگانِ دشتِ جہالت کا ٹھیک کیا
صدق و صفا سے پھر گئے لی گمرہی کی راہ

افسوس فعلِ بد کے سبب فیل ہی رہے
اے قوم باندھ اب کمرِ عزم کھینچکر۔

کچھ ہے اثر نہ طفلی و شیب و شباب کا
یہ گھر وہ گھر نہیں جو بسیں گے خوشی خوشی

وہ عزم اور وہ حزم کسی میں نہیں رہا
کھا کر نہ شکرِ ایزدِ منعم کبھی کیا

پرہیزگاریاں نہ رکھیں حرص و آز نے
پہلے تھی عزمِ قوم کی پرواز تا فلک

تن کاہلی نے مشق کا تختہ بنا دیا۔

افسوس سُود قوم ہوا ہے زیانِ قوم
دربدر بھٹکتی پھرتی ہے نسلِ شہانِ قوم

جب رہزنانِ قوم بنیں رہبرانِ قوم
نارِ سقر کو سمجھے ہیں باغِ جنانِ قوم

ہر معرکے میں ہم نے لیا امتحانِ قوم
جوں صرصر اٹھ کہ شور مچے درمیانِ قوم

ہیں محوِ خواب کودک و پیر و جوانِ قوم
ہنستی ہے قوم ہو جو کوئی نوحہ خوانِ قوم

کیا پیر کیا شہنشہ و خاقان و خانِ قوم
کسطرح نعمتوں سے نہ خالی ہو خوانِ قوم

پُر ہے ہوائے نفس سے سب جسم و جانِ قوم
پربستہ اب ہے طائرِ وہم و گمانِ قوم

اعضائے قوم سے گئی تاب و توانِ قوم

اوٹھو کہ ندرت اب تمہیں کرتا ہے ہوشیار
جاگو کہ دے رہا ہے صدا پاسبانِ قوم

شعیب احمد ندرت میرٹھی

ریویو۔ نیرنگِ خیالات:- یہ کتاب منشی غلام جیلانی صاحب عاصی مینائی امرتسری کی چند نیچرل نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے۔ کلام اچھا ہے۔ آپ کی ایک نظم پیامِ بہار۔ ہدیہ ناظرین ہو چکی ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ۔ قیمت عہ حسب ذیل پتہ پر مل سکتی ہے:-
ابو الحسن منشی غلام جیلانی صاحب عاصی مینائی تاریخ محلہ جوڑی گنج امرتسر پنجاب۔

لذت گریہ

للّٰہ کام آ کچھ اے لطف اشکباری
کمبخت دُور بھی ہو کچھ دل کی بیقراری
تیرے سبب سے دل کی کچھ تو بھڑاس نکلے
بیچین ہو طبیعت۔ اسکو سکوں ہو ٹھہرے
سوزِ نہاں سے دل میں اک آگ سی لگی ہے
بیچینی بیقراری ہر وقت بے کلی ہے
دل کی لگی کو آکر یکبار تو بجھا دے۔
سینے میں آگ جو ہے تو اسکو اب بجھا دے

تدبیر بس یہی ہے میں زار زار روؤں
خاوت میں بیٹھ جاؤں اے غمگسار روؤں
کلفت ہو دُور دل کی پھر ایکبار روؤں

شور و فغاں سے کسدن سر پر زمیں اٹھائی
جورِ فلک نے مارا لب تک نہ آہ آئی
رازِ نہاں کا اپنے محرم کسے بنایا
سینے کا داغ روشن کس شخص کو دکھایا
منہ سے نہ اُف نکالی۔ گو چوٹ کھا کے بیٹھے
مُہر خموشی باستا لب پر لگا کے بیٹھے
طفلِ سرشک اب تو بے حد مچل رہے ہیں
آنکھوں میں اشکِ خونیں پہلو بدل رہے ہیں

تدبیر بس یہی ہے بس زار زار روؤں
خلوت میں بیٹھ جاؤں اے غمگسار روؤں
کلفت ہو دُور دل کی پھر ایکبار روؤں

مانا کہ اس جہاں میں ہیں دردِ لا دوا ہوں
فریاد بے اثر ہوں یا آہِ نارسا ہوں
مانا کہ کوئی اپنا فریاد رس نہیں ہے۔
اسکی کبھی خبر جینا البدل! ہوس نہیں ہے
رازِ نہا البدلِ الفت ہے دم کیساتھ اپنے
افسوس گو رہے ہیں ملتے ہیں ہاتھ اپنے

فریاد ہے نہ شکوہ خاموش ہو رہا ہوں
رونے کی جو ہے لذت۔ ہاں اُس سے آشنا ہوں

تدبیر بس یہی ہے میں زار زار روؤں۔
خلوت میں بیٹھ جاؤں اے غمگسار روؤں
کلفت ہو دُور دل کی پھر اکبار روؤں

باسط بسوانی (رستیاپور)

حال زارِ قوم

تھا تازہ و شگفتہ کبھی لالہ زار قوم
افسوس آج وقفِ خزاں ہے بہار قوم

وہ دن بھی تھے کہ رشک جناں تھی بہار قوم
اب غیرت چمن ہے دل داغدار قوم

گر مہدِ عیش میں یہی غفلت کی نیند ہے
ٹوٹیگا نفخ صُور سے شاید خمار قوم

اے مسمور۔ دکھاؤ وہ شان یگانگت
قائم جہاں میں جس سے ہو عز و وقار قوم

وہ دن بھی تھے کہ عرصۂ رزم علوم میں
رستم کا ہمعناں تھا ہر اک شہسوار قوم

وہ دن بھی تھے کہ ہم بھی تھے نوتر بنے ہوئے
نکھرا ہوا تھا رنگ عروس بہار قوم

جب عزم جزم دل میں نہیں ہے تو کسطرح
ہوگا ہُمائے اوج ترقی شکار قوم

یہ نوجواں ہیں قوم کی کشتی کے ناخدا
ہیں یہ فدائے قوم یہی جاں نثار قوم

تعدادِ قوم اب تو کروڑوں سے بڑھ گئی
تھا صرف انگلیوں پہ کسی دن شمارِ قوم

ہے فوج فوج قوم تو بحر علوم میں
کیوں آج اوج موج نہیں ہمکنارِ قوم

دیکھو ذرا عرب کے اک اُمّی نے کیا کیا
باد بہار بن کے دکھائی بہار قوم

یہ معجزہ ہے سب برکت اور خلوص کا
تھی قوم باجدار تو وہ تاج دار قوم

چھوڑا ہے جب سے اس شہ والا کا اتباع
سر سے اتر گئی کُلہ افتخار قوم

بغض و نفاق و کبر دلوں میں ہے جاگزیں
خود قوم کو ہی اب تو نہیں اعتبار قوم

جو حلقہ ہے وہ حلقۂ ماتم سے کم نہیں
ہر ایک فرد قوم بنا سوگوار قوم

وہ دن کہاں کہ جمع تھا جب خرمن امید
اب لقمہ برق یاس کا ہے کشت زار قوم

فانی ہو کھینچنے کے عوض انفعال کش
بگڑے ہوئے کچھ ایسے ہیں نقش و نگار قوم

ٹا پینگے راہ پر کسے دیکھیں جناب خضر ہم
ہے ان کے رہگذر سے جُدا رہگذار قوم

حاجت ہے جنکو اپنی وہ حاجت روا نہ
ہے جنکو اپنی آس وہ ہیں پاسدار قوم

افراد قوم جب ہیں سبکدوشیوں پہ غش
ایسا ہے کون آج اٹھائے جو بار قوم

مصلح جو تھے وہ خلد بریں میں ہیں محو عیش
فرصت میں آ کے دیکھیں ذرا حال زار قوم

جس دن ہوا وصال کفن کو بھی کچھ نہ تھا
کیا مال و زر ہے جان بھی کردی نثار قوم

کافور ہے خلوص تو عنقا ہے آج صدق
وہ دیکھ لے جسے ہو شعور شعار قوم

ارشاد حق جب اِنّ مع العسر یسر ہے
لائیگی رنگ گردش لیل و نہار قوم

جز قوم کچھ نہو ہمیں یا رب عزیز تر
دل ہوں فدائے قوم تو جانیں نثار قوم

سالک کی التجا یہی تیرے حضور ہے
کر رحم اب تو قوم پہ پروردگار قوم

خادم الشعرا ابو رشید سالک بٹالوی
ایڈیٹر
رسالہ فانوس خیال

غزلیں

عالیجناب ممتاز الشعرا مولوی محمد حیات بخش صاحب رسا اعلی اللہ مقامہ

اُنکا ہر بات پہ تصویر حیا ہو جانا
کہ رہا ہے کہیں وعدے کا وفا ہو جانا

اک نہ اک دن ہمیں پامال جفا ہو جانا
زندگی ہے تو دکھا دینگے فنا ہو جانا

ہونیوالی ہے کسی دیکھنے والے کی نظر
ہوشیار اے نگہِ ہوش رُبا ہو جانا

کسی صورت سے پہونچ باب اثر تک آہ
کچھ نہ بن آئے تو دشمن کی دعا ہو جانا

آج تو وصل کی ہے رات نہ روٹھو ہم سے
پھر خفا ہونیکو سو بار خفا ہو جانا

لیجئے جان تو حاضر ہے مگر شرط یہ ہے
آج سے قائل ارباب وفا ہو جانا

بت سمجھکر تمہیں ہم نے تو کیا ہے سجدہ
جو خدا سمجھے تمھیں اُسکے خدا ہو جانا

حد سے بڑھ جانا ہی انسان کو مٹا دیتا ہے
اپنی ہستی سے گذرنا ہے فنا ہو جانا

آئینہ دیکھ کے اکڑا تو بجا ہوش نہیں
تو نہ بے خود نگہِ ہوش رُبا ہو جانا

دو قدم چلکے دکھا دو تو دکھا دیں تمکو
فتنۂ حشر کا قدموں پہ فدا ہو جانا

کیا کیا انداز جوانی نے سکھائے تمکو
کبھی کھنچنا کبھی تصویر حیا ہو جانا

ایک تو اسنے ہے اقرار ہی ہونا دشوار
اُس سے دشوار ہے پھر اُسکا وفا رہو جانا

بنگئی دم بہ تو آئے وہ عیادت کے لئے
راس آیا ہمیں جینے سے خفا ہو جانا

قید سے چھوڑنے والا ہے ہمیں بھی صیاد
ابھی اے فصل بہاری نہ ہوا ہو جانا

توبہ کر کے بھی یہ حالت ہے کہ ہر شام و سحر
فرض ہے ذکر مئے ہوش رُبا ہو جانا

تم اگر لاکھ کھنچو ہم سے تو ہوتا کیا ہے
سخت مشکل ہے تصور سے جدا ہو جانا

نگہِ ناز سے بچنا ہے نہایت مشکل — جانتا ہی نہیں یہ تیر خطا ہو جانا

اے رسا بام پہ وہ جلوہ دکھائینگے ضرور
کہیں بے ہوش نہ اے مردِ خدا ہو جانا

جناب منشی محمد شریف خانصاحب آزاد، مہتمم رسالہ جلوہ بار میرٹھ

خواب میں آئی نظر وہ شکل نورانی مجھے — اے زہے قسمت ہوئی معراج روحانی مجھے
دی جو قسام ازل نے عمر طولانی مجھے — کیا بنایا ہے کسی کی زلف کا ثانی مجھے
جانب ویرانہ لے چل شرم عریانی مجھے — اپنے بیگانوں میں ہوتی ہے پشیمانی مجھے
ان کی زلفوں کے تصور سے کہا کرتا ہوں میں — دیکھے جانا اپنے حصے کی پریشانی مجھے
ابتدائے عشق میں دشوار تھے آسان کام — اب نظر آتی ہے دشواری میں آسانی مجھے
وصل میں ہم رات منہ اپنا سا لیکر رہ گئے — وہ بگڑ بیٹھے کہ تمنے کیوں کہا جانی مجھے
کیوں شب ارمان بلائیں انکی زلفوں کی نہ لوں — یاد آتی ہے شبِ فرقت کی طولانی مجھے
سرد مہری سے تری دل ہو گیا جلکر کباب — دے نہ اے ساقی ملا کر جام میں پانی مجھے
قید سے آزاد ہونا ہے مرا دم توڑنا — تو نے کیا سمجھا ہے اے زنجیرِ زندانی مجھے
ہو کے قرباں تیغ پر دے جاں نثاری کا ثبوت — انکی نظروں میں نہ کر بلکا گرانجانی مجھے
ہے یہ اک نامہرباں کی مہربانی کا اثر — ورنہ آوارہ لئے پھرتی پریشانی مجھے
حلق پر میرے چھری ہے آنکھ دشمن کیطرف — ذبح کرتے ہیں مگر دیتے نہیں پانی مجھے
چاہتا ہے دل کہ ہوں میں بڑھکے قدموں پر نثار — یار تنتا ہے دکھا کر سروِ بستانی مجھے
وصل میں ہمدم کہاں انکا جوش کسکے وہ لولے — نازک اندامی نے اسکی کر دیا پانی مجھے
میں نے جب دیکھا تمھیں تسکین میری ہو گئی — تمنے جب دیکھا ہوئی دونی پریشانی مجھے
تمنے کس دن میرے دشمن سے کی ہنس ہنس کے بات — تمنے بھی دیکھا کسی سے خندہ پیشانی مجھے

غیر کو دیکھا ہے جس نے انکے در پر جبہ سا
کیا دکھائے دیکھئے تحریر پیشانی مجھے

اب مری عزت ہے تیرے ہاتھ اے جوش جنوں
ڈھونڈتا پھرتا ہے اک غول بیابانی مجھے

میرے نالوں نے اٹھا رکھا ہے سر پر آسمان
کیوں نہ سمجھے کوئی اس ایجاد کا بانی مجھے

اپنی آنکھوں کی عنایت کا نہ کیوں ممنون ہوں
دینے والی ہیں یہی دکھ درد میں پانی مجھے

خاطر احباب سے آزاد کر لیتا ہوں شعر
ورنہ خوش آتی نہیں اپنی غزل خوانی مجھے

"فکر رنگین"

از جناب سفیر کاکوروی (منقول از صلائے عام)

ستاروں کو جو زیب شاخسار کہکشاں پایا
عروس شب کی افشاں میں سواد بوستاں پایا

قمر کی فکر میں سربستہ اک راز نہاں پایا
دہن کے شوق میں ہم نے سراغ لامکاں پایا

زمیں سے آسماں تک دور دورہ ہے محبت کا
اسی طاقت کو وجہ گردش سیارگاں پایا

دل افسردہ ہے مثل چراغ کشتۂ محفل
جسے دن رات محو لذت خواب گراں پایا

خزاں میں رنگ لایا ہے ستانا عندلیبوں کا
ثمر بیداد کا تو نے بھی آخر باغباں پایا

قفس میں رہ کے بلبل کو نہیں صیاد کا کھٹکا
اسیری میں عجب لطف ہوائے بوستاں پایا

حلاوت آب پیکاں میں ملی تیرے شہیدوں کو
مزہ سوفار میں کیا کیا نہ لئے شیریں زباں پایا

گیا دل ہاتھ سے لیکن ہیں دُر اشک دامن میں
بتوں سے یہ خراج کشور ہندوستاں پایا

سیہ کاری مری باعث تیرے ابر کرم کا ہے
کہ شرم معصیت کو اے خدا رحمت نشاں پایا

لگا دی آگ ایسی گریۂ عشق پری رو نے
کہ پہلو میں دل بیتاب کو اک شعلہ ساں پایا

زمین کوئے جاناں ہے سفیر اک خلد کا ٹکڑا
فدا ہے آسماں جس پر وہ سنگ آستاں پایا

غزل از خاکسار ابو رشید سالک بٹالوی ایڈیٹر رسالہ ہذا

مجھے فلک سے نہیں شکوۂ بلائے فراق
کہ میں ہوں روز ازل ہی سے آشنائے فراق

دعائے وصل جو مانگی ملی بلائے فراق
یہی ہے جی میں کہ اب مانگیئے دعائے فراق

مسیح آئے اُتر کر جو چرخ چارم سے
کہا یہ درد نے اٹھکر کہ دے دوائے فراق

تجھے بھی قدر ہو معلوم درد الفت کی
مری طرح کہیں تو بھی ہو مبتلائے فراق

وہ کیا رکینگے اب آنیسے اُنکی کیا طاقت
کہ کر چکے ہیں اثر میرے نالہ ہائے فراق

ہماری جان ہے ایک اور مصیبتیں اتنی
جفائے یار جفائے فلک جفائے فراق

یہ تفرقہ تو کسی طرح دور کر ظالم!
کہ دل میں یاد ہے تیری تو لب پہ ہائے فراق!

بہار میں تو عنادل کو چھوڑ لے صیاد
تو سُن چکا ہے بہت انکے نغمہائے فراق

خدا کیواسطے ہنسکر نمک چھڑک بھی کہیں
دعا کو کھولے ہوئے منہ ہیں زخمہائے فراق

حسین اُسنے بھی سمجھا ہے شاید اپنے کو
جفائے یار سے ہے شوخ تر جفائے فراق

شب فراق کی ظلمت کا خوف ہو کافور
الٰہی ایسے منور ہوں داغہائے فراق

سنا ہے جب سے کہ ملتا ہے بعد ہجر وصال
کھلا یہ صاف کہ ہے موت انتہائے فراق

یہ بیخودی ہے کہ جز تیرے کچھ بھی یاد نہیں
نہ سرگذشت وصال اور نہ ماجرائے فراق

اگر ہے عشق پہ ایماں تو نام یار ہو ورد
یہ کیا کہ لب پہ ہے ہر وقت ہائے ہائے فراق

تصور رخ جاناں کا شغل ہے سالک!
ہوا ہے جب سے دل زار آشنائے فراق

ریویو:۔ گلدستہ مشتاق سنیاسی:۔ مکرمی مشتاق سنیاسی صاحب بٹالہ سے ایک چھوٹا سا رسالہ بھیجتے ہیں۔ جو ایک حساب سے انکی خودنوشت سوانح عمری ہے۔ اور ساتھ ہی ان کے کارخانہ کی ادویات کی فہرست ہے۔ لکھائی چھپائی اچھی چھ پائی کے ٹکٹ بھیجنے پر پتہ ذیل سے مل سکتی ہے: جناب مشتاق سنیاسی مالک کارخانہ سنیاسی و سنیاسی جنتری بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب

(جناب منشی حفظ الکبیر صاحب کلیم میرٹھی ڈرامانویس بھوپال)

گفتگو ہونٹوں ہی ہونٹوں میں یہ کیا ہوتی ہے
کوستے ہو مجھے یا کوئی دعا ہوتی ہے

جب لئے تیر و کماں میری طرف آتا ہے
اُس ستمگار کی چٹکی میں قضا ہوتی ہے

میرے مٹنے کا مجھے رنج نہیں ہے ظالم!
غم یہ ہے دفن مرے ساتھ وفا ہوتی ہے

شمع تربت ہی نے کچھ ساتھ دیا تھا اپنا
وہ تری نذر اب اے باد صبا ہوتی ہے

عفو تقصیر جو چاہی تو بگڑ کر بولے
کیا غرض - میری بلا تجھ سے خفا ہوتی ہے

اُسنے تاکا تھا جگر تیر پڑا ہے دل پر
سچ ہے آتی ہے اُسے جسکی قضا ہوتی ہے

ذکر منصور جو آیا تو وہ ہنسکر بولے
مجرم عشق کو ایسی ہی سزا ہوتی ہے

میرے مرقد سے اگر خاک اُڑا کرتی ہے
باعث رونق ارباب وفا ہوتی ہے

دیکھکر رونق بیمار نہ بے فکر ہو تو
سانس کی آس کسے یہ تو ہوا ہوتی ہے

اے مری جنس وفا بھول نہ جانا مجھکو
میرے ہی دم سے تری نشو و نما ہوتی ہے

میرے ماتم ہی میں جان کے تم آ بیٹھو
کام اچھا ہے یہی رسم ادا ہوتی ہے

قہر سے دیکھتے ہیں شکر کر اسکا اے دل
لطف کی آنکھ تو کمبخت بلا ہوتی ہے

کس نے غصہ کی نگاہوں سے یہ دیکھا مجھکو
کہ مری جان بھی اب مجھسے خفا ہوتی ہے

وہ گئے دن کہ حسینوں کی محبت تھی کلیم
پانچوں وقتوں کی نماز اب تو ادا ہوتی ہے

سید محمد یعقوب حسین صاحب مصحف عرف ہانی صاحب تلمیذ جناب مولینا عرش گیاوی مدظلہ

پُر اثر نالہ ہے تنہا بلبل ناشاد کا
سنکے پھٹ جائے کلیجہ ہو اگر فولاد کا ۔

اُس پری رو کی جو دیکھی گرمئی بازار حسن
اُڑ گیا بنکر دھواں سایہ بھی آدمزاد کا

ایک دن روئینگے اتنا کچھ کہ رونیگا وہ بت
موم ہونا ہم دکھا دینگے کبھی فولاد کا

کیجئے کیوں بیٹھ کر اب بیکسی کا عذرِ لنگ
قافلہ جب بڑھ چکا آگے عدم آباد کا

کسبِ فن پر ناز بیجا ہے جو ہو قسمت خراب
باغ کام آیا کہاں شداد کے شداد کا

تھا جو وقتِ خواب اسکے قدِ موزوں کا خیال
خواب میں آیا نظر مجھکو شجر شمشاد کا

گر میئے مضمون کی اپنے کیوں نہو اے قہر دھوم
نام لیوا ہوں میں آخر نامور استاد کا

فانوس خیال

ناظرین کرام! فانوسِ خیال کا دوسرا نمبر اسوقت آپکے پیشِ نظر ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ جیسا کچھ ہے۔ آپکے سامنے ہے۔ افسوس یہ ہے۔ کہ ملک کے افراد ادبی رسائل کی خاطر خواہ قدر نہیں کرتے۔ اسی لئے ہمیں اسوقت کوئی وقیع ادبی رسالہ ملک میں نظر نہیں آتا۔ امید کہ فانوس خیال اپنے ناظرین کی نظر و نمیں عزت حاصل کریگا اور علمی قدردانوں کے دلوں میں جگہ پائیگا۔ بہت سے احباب نے مجھے لکھا اور کہا ہے۔ کہ تصویروں کا انتظام بھی ہو۔ مگر میرا یہ خیال ہے کہ میں فانوس میں واہیات تصاویر دیکر اسے بازیچۂ طفلان نہ بناؤں۔ کہ کسی مہینے قطب مینار کی تصویر دے دی اور کسی نمبر میں بادشاہی مسجد لاہور کی۔ رسالہ فانوس خیال نے علم و ادب کی خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ نہ کہ فن مصوری کی بزرگداشت کا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ فاضل شعرا اور قابل مضمون نگاروں کی تصاویر ہوں اور ناظرین کلام دیکھنے کے علاوہ گھر بیٹھے ان کی زیارت سے بھی بہرہ اندوز ہوں مگر یہ اسوقت ہو سکتا ہے جب خریداروں کی تعداد معقول ہو۔ اگر ہمارے معزز ناظرین تین تین چار چار خریدار بہم پہنچا دیں تو فانوس خیال اصلی آب و تاب سے روشن ہو سکتا ہے۔ فاضل انشا پردازوں اور شعرائے نازک خیال کی خدمت میں التماس ہے۔ کہ وہ فانوس خیال کی قلمی معاونت کریں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں فانوس خیال بھی انکی ہر ایک خدمت کے لئے تیار ہے۔

(ایڈیٹر)

شفاخانہ سنیاسی بٹالہ

پیارے ناظرین با اگر آپ جوانی کی غلط کاریوں سے زندہ در گور ہو گئے ہوں۔ تو ہماری طرف رجوع کریں۔ ہم سنیاسی ہیں۔ ہماری ادویات فقرانہ ہیں۔ ہم مردوں اور عورتوں کی پوشیدہ بیماریوں۔ تپ دق و سل۔ امراض چشم کے خصوصاً معالج ہیں یہ آخری جگہ ہے۔ جہاں سے صحت کی امید ہو سکتی ہے۔

شفاخانہ سنیاسی بٹالہ کی چند شہرہ آفاق ادویات کی فہرست

بکس مردمی مجلوق اور نامرد کے لئے نعمت بے بہا ہے۔ اس کے چند روزہ استعمال سے مریض کی صحت کامل ہو جاتی ہے۔ اور جریان سرعت انزال۔ کمی وغیرہ کی شکایتیں دور ہو کر جوانی کا عالم نظر آتا ہے۔ قیمت فی بکس صرف ۱۲/ ؎

جڑی بوٹیوں کا سرمہ چیچک کے پھولے اور مادر زاد اندھے کے بغیر آنکھوں کی ہر ایک بیماری کے لئے اکسیر ہے۔ قیمت فی تولہ صرف ۲۵ روپیہ فی ماشہ ۲/ ؎

مولد خوش صالح یہ عورتوں کی تقریباً کل بیماریوں کا حکمی علاج ہے اولاد نرینہ کے خواہشمند توجہ کریں۔ قیمت صرف ۸/ ؎

سینکڑوں اسناد سے صرف دو مشتے نمونہ از خروارے

میں بچپن کی غلط کاریوں کے سبب بالکل نامرد ہو گیا تھا خفیہ طور پر سینکڑوں علاج کئے مگر بے سود۔ خاک بھی فائدہ نہ ہوا۔ جناب مشتاق سنیاسی صاحب کے مرسلہ بکس مردمی کے استعمال سے میں بالکل تندرست ہو گیا ہوں۔ اب شادی کرنے کی فکر میں ہوں ؎

بقلم خود سٹوڈنٹ از لکھنؤ ۷ جنوری سنہ ۱۹۱۴ء

جناب من تسلیم! مزاج شریف۔ میری آنکھوں میں پندرہ سال سے پھولا تھا آپ کے سرمہ کے ایک فوہ لگانے سے آدھا اسی وقت کٹ گیا۔ باقی نصف تین روز میں دور ہو کر آنکھ صاف ہو گئی۔ خدا آپ کا اقبال زیادہ کرے۔ ایک تولہ قیمتی ۲۵ روپیہ بہت جلد بذریعہ وی پی ارسال فرماویں زیادہ آداب ؎ راقم خاکسار محمد دین از کولوٹولہ کلکتہ ۲ جنوری سنہ ۱۹۱۴ء

المشتہر، مشتاق سنیاسی مالک شفاخانہ سنیاسی و سنیاسی جنتری مقام بٹالہ پنجاب

معجون جالینوس

دافع نسیان

شاعرو! مضمون نگارو اور طالب علمو، مرض نسیان یعنی کسی بات کو جلد بھول جانا۔ تمہارے لئے سم قاتل ہے۔ تم اپنے ذہن پر زور نہیں دے سکتے۔ تم تحصیل علم نہیں کر سکتے۔ تم امتحانوں میں پاس نہیں ہو سکتے۔ جس حالت میں تمہارا حافظہ کمزور ہے۔ ہماری "معجون جالینوس" قوت حافظہ کو تگنا چوگنا کر دیتی ہے۔ جو کچھ سنو، پڑھو دیکھو ذہن سے نہیں اترتا۔ قیمتی ادویات کا ایک خوش گوار ذائقہ اور خوشبودار مرکب ہے۔ امتحاناً ایک دفعہ منگوا کر استعمال کرو۔ قیمت فی بکس جس میں ۱۵ خوراک دوا ہوتی ہے۔ دو روپے (عہ) علاوہ محصول ڈاک۔ طلباء سے ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ/۸)

برائے امراض چشم

آنکھ کی کل بیماریوں کے لئے عموماً اور آشوب چشم کے لئے خصوصاً اکسیر ہے۔
ایک ڈبیہ سینکڑوں بیماریوں کو کافی ہے۔
قیمت فی ڈبیہ آٹھ آنہ (عہ/۸) علاوہ محصول ڈاک۔
پرچہ ترکیب ہمراہ ہوگا۔
دو دفعہ کے لگانے سے آرام نہ ہو۔ تو ہمارا ذمہ۔

مالک کارخانہ معجون جالینوس ٹھانکوٹ پنجاب